اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:165)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تعین اوّل:

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (مرقاۃ المفاتیح ص356) پس میں نے مخلوق کو پیدا فرما دیا۔ یعنی مخلوق کو پیدا کرنے کا جو چیز ذریعہ بنی وہ محبت تھی۔ گویا تعین اول تعین حبی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پسند:

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اب چاہتے کیا ہیں؟ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:165) کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ یہ میرے ایسے بندے بن کر رہیں کہ ان کے دل میری محبت سے لبریز ہوں، ان کے دلوں پر میری محبت چھائی ہوئی ہو۔ یعنی ان کے دلوں میں اللہ آیا ہوا ہو، ان کے دلوں میں اللہ سمایا ہوا ہو، بلکہ ان کے دلوں پر اللہ چھایا ہوا ہو۔

کامل مومن کی نشانی:

انسان کے جسم کے ہر عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا، کان کا کام ہے سننا، زبان کا کام ہے بولنا اور دل کا کام ہے محبت کرنا۔ دل یا تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا یا پھر مخلوق سے۔ اس کے دل میں یا تو آخرت کی محبت ہوگی یا پھر دنیا کی۔ آخرت کی محبت سے دل میں نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے جب

کہ دنیا کی محبت کے بارے میں حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (جامع الاحادیث ص326 ح45030) دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ مشائخ کرام نے اس کی آگے پھر تفصیل بیان کردی کہ وَتَرْكُهَا مِفْتَاحُ كُلِّ فَضِيْلَةٍ اس کا ترک کر دینا ہر ایک فضیلت کی کنجی ہے۔ دنیا کی محبت کا دل سے نکل جانا اور پروردگار کی محبت دل میں سما جانا کامل مومن ہونے کی نشانی ہے۔

صفات اور صاحب صفات سے اللہ تعالیٰ کی محبت:

قرآن پاک میں مومنین کی کچھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ جو اللہ رب العزت کو اتنی پسندیدہ ہیں کہ مولا کریم نے ان صفات والے بندوں کے بارے میں اعلان فرما دیا کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ مثلاً فرمایا وَاَحْسِنُوْا تم نیکی کرو، نیکوکار بن جاؤ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ:195) بے شک اللہ رب العزت نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں۔ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ:7) اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ:227) اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ رب العزت کو ان صفات سے محبت ہے۔

جس انسان میں یہ صفات آجائیں گی وہ انسان بھی اللہ رب العزت کا محبوب بن جائے گا۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ ان تمام صفات کے جامع تھے۔ یہ کمالات نبی کریم ﷺ میں نقطۂ کمال تک موجود تھے۔ اسی لئے آپ ﷺ اللہ رب العزت کے محبوب بنے۔ اسی طرح آج بھی ان صفات کو پیدا کرنے کے لئے جو بندہ محنت کرے گا اللہ رب العزت اس بندے سے بھی محبت فرمائیں گے۔ رنگ کا گورا ہو یا کالا، عجم کا

ہو یا عرب کا، پروردگار کی نظر میں کوئی فرق نہیں۔ وہاں تو دل کی حالت کو دیکھتے ہیں۔نام بلالؓ ہے، ہونٹ موٹے ہیں، شکل انوکھی ہے، رنگ کالا ہے، مگر دل محبت الٰہی سے لبریز ہے۔اس محبت کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور پاؤں کی چاپ (آواز) جنت میں سنائی دیتی ہے۔اللہ اکبر۔

ایک مستند دلیل:

وہاں تو محبت مطلوب ہے۔اس کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شرک سے نفرت ہے۔ جس کے بارے میں اپنے محبوب تک کو خطاب فرما دیا کہ اے میرے محبوب ﷺ! لَئِنْ اَشْرَكْتَ اگر آپ بھی شرک کرینگے۔ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر:65) آپ کے کیے ہوئے عملوں کو ہم ضائع کر دیں گے۔چونکہ صفات سے اللہ رب العزت کو محبت ہے اس لئے اگر وہ صفات نکل جائیں گی اور انسان کے اندر ان کی ضد آ جائیگی تو اللہ رب العزت کو ایسے بندے ناپسند ہوں گے۔لہٰذا اگر بندہ چاہے کہ وہ اللہ رب العزت کی نظر میں محبوب بن جائے تو اسے اپنے اندر وہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ہر ہر سنت سے محبوبیت کی ایک مقدار بندھی ہوئی ہے۔جس سنت پر عمل ہو گیا، اتنی محبوبیت بڑھ گئی۔حتیٰ کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک جس نے نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کیا وہ سارے کا سارا انسان اللہ کی نظر میں محبوب بن گیا۔اب یہ معاملہ ہم پر ہے کہ ہم کتنی سنتوں کو اپناتے ہیں اور اللہ رب العزت کی نظر میں محبوب بنتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا،

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمرن:31) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم میری اتباع کرو رب العزت تم سے محبت فرمائیں گے۔

دلائل سے وضاحت:

کوئی آدمی کہہ سکتا ہے کہ جی کیا دلیل ہے کہ بندوں سے اللہ رب العزت کو محبت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان بھی ہے، کریم بھی ہے۔ اللہ کی سو صفات ہیں مگر یہ دلیل کہاں کہ اللہ رب العزت کو محبت ہے؟ اس کے بارے میں علمائے کرام نے دلائل لکھے ہیں۔ ایک موٹی سی دلیل جو عام بندے کی سمجھ میں بھی آ سکتی ہے یہ دی کہ جب کسی سے بندے کو محبت ہو تو بندہ اپنے محبوب کو جو مرضی آئے دیتا ہے اور خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، وہ اسے تھوڑا ہی سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں تو کچھ اور بھی کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ محبت جو ہوتی ہے۔ اور اگر محبوب تھوڑا سا کچھ اسے دے دے تو وہ اسے بہت زیادہ سمجھتا ہے، پھولے نہیں سماتا کہ محبوب نے مجھے تحفہ اور ہدیہ بھیجا ہے۔ اسی اصول کو قرآن میں دیکھئے۔ اللہ رب العزت نے بندوں کو دنیا کی ہزاروں نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں مگر ان تمام نعمتوں کو سامنے رکھ کر فرمادیا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النسآء:77) آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی متاع تو تھوڑی سی ہے۔ مگر جب اس کے بندے نے اپنے پروردگار کو لیٹے یا بیٹھے تھوڑی دیر کیلئے یاد کیا۔ عمل اگرچہ تھوڑا سا تھا، چند ساعت کا عمل یا سو پچاس سال کی زندگی کا عمل مگر چونکہ محبوب کی طرف سے عمل ہوا تھا، اس لئے ارشاد ہوا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب:41)۔ سبحان اللہ! جو محبوب نے عمل کیا اس کیلئے کثیر کا لفظ استعمال فرمایا اور جو خود عطا فرمایا اس کیلئے قلیل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں سے محبت ہے۔

قرآن مجید میں بھی اللہ رب العزت نے اس محبت کا اظہار کر دیا ہے، فرمایا اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ:257) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ حالانکہ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ جنہوں نے کلمہ پڑھا

وہ اللہ کے دوست ہیں، حق بھی یہی بنتا تھا۔ مگر نہیں، محبت کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اسی لئے اس نسبت کو اپنی طرف کیا۔ سبحان اللہ! کیا کریمی ہے اس پروردگار کی! اس بندے کی کتنی ہمت بندھائی کہ اس نے کلمہ پڑھ کر تصدیق کی اور پروردگار نے محبت کا اعلان فرمادیا۔سبحان اللہ

کفار سے محبت کرنے کی مذمت:

اللہ تعالیٰ کو ایمان کے ساتھ ذاتی محبت ہے اور کفر کے ساتھ ذاتی عداوت ہے۔ لہذا جو کوئی آدمی کفار کے طریقے کو پسند کرے گا اس کے بارے میں فرمایا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (سنن ابی داؤد ص78 ح4033) جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا ہم اسی قوم سے اس کو اٹھائیں گے۔ جو کفار کے رسم رواج، عادات، لباس یا کسی اور چیز سے بھی محبت کرے گا گویا وہ اللہ رب العزت کی محبت سے محروم ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ ہندوؤں کی دیوالی کا دن تھا۔ ہندو لوگ دکانوں مکانوں اور انسانوں پر رنگوں کا چھڑکاؤ کر رہے تھے۔ ایک بوڑھا مسلمان کسی گدھے کے پاس سے گزرا تو گدھے پر پان والی تھوک پھینک کر کہا، تجھے ہندوؤں نے رنگین نہیں کیا، لو میں تمہیں رنگ دیتا ہوں ۔ وہ بڑے میاں جب فوت ہوئے تو کسی کو خواب میں ملے ۔ حال پوچھنے پر کہا کہ میں سخت عذاب میں ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کو کفار کے ساتھ میری اتنی سی مشابہت بھی پسند نہ آئی۔ اللہ اکبر

اللہ تعالیٰ کا کوئی بدل نہیں:

دنیا کی ہر مالی چیز کا بدل ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا بدل تو امکان سے بھی خارج ہے۔ شاعر نے کہا

لِكُلِّ شَيْءٍ إِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ　　وَلَيْسَ لِلّٰهِ إِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

دنیا کی کسی بھی چیز سے تو جدا ہوا تو تیرے لئے بدل ہوگا اگر تو اللہ تعالیٰ سے جدا ہوگیا تو تیرے لئے کوئی بدل ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی دو بڑی وجوہات:

اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں کیوں ہونی چاہیے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے دو وجوہات بہت بڑی ہیں۔

پہلی وجہ:

ایک تو یہ کہ عام دستور ہے کہ بندے کے اوپر جس کی مہربانیاں۔ اور عنایات ہوں وہ اپنے محسن کا ممنون بھی ہوتا ہے اور اس سے محبت بھی کرتا ہے۔ میرے دوستو! ہم اللہ تعالی کی نعمتوں کو ذرا شمار تو کر کے دیکھیں مگر وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا (ابراھیم : 34) کے مصداق ایک ہی نتیجہ نکلے گا کہ اگر تم اللہ تعالی کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن ہی نہیں سکتے۔ آپ سوچئے تو سہی کہ کوئی آدمی بارش کے قطروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ سارے سمندروں کے پانی کے قطروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ آسمان کے ستاروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ تاہم یہ عاجز ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ آسمان کے ستاروں کو گن لیا جائے' یہ ممکن ہے کہ دنیا کے سمندروں کے پانی کے قطروں کو گن لیا جائے' یہ ممکن ہے کہ ساری دنیا کی ریت کے ذرات کو گن لیا جائے لیکن میرے دوستو! اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا انسان کیلئے ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ پروردگار بینائی عطا نہ کرتے تو ہم نابینا ہوتے، اگر وہ گویائی عطا نہ فرماتے تو ہم گونگے ہوتے، اگر سماعت عطا نہ کرتے تو ہم بہرے ہوتے، اگر وہ پاؤں نہ دیتے تو ہم لنگڑے ہوتے' ہم لولے ہوتے، اگر وہ صحت نہ دیتے تو ہم بیمار ہوتے، اگر وہ مال نہ دیتے تو ہم غریب ہوتے، اگر وہ عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے، اگر وہ اولاد نہ دیتے تو ہم لاولد ہوتے، اگر وہ سکون نہ دیتے تو ہم پریشان ہوتے۔

میرے دوستو! یہ پروردگار کی نعمتیں ہی تو ہیں کہ ہم عزت بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ کوئی ہمارا کمال ہے؟ نہیں، یہ کمال والے کا کمال ہے۔ اگر وہ کسی کی حقیقت ظاہر کر دے تو ہم میں سے کوئی ناپ تول کے قابل نہیں ہے۔ کون ہے جو اپنے آپ کو محاسبہ کیلئے پیش کر سکے۔ ایک بزرگ نے اکمال الشیم میں ایک بات لکھی ہے۔ وہ سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی جس نے اپنی رحمت کی چادر سے چھپایا ہوا ہے۔ تو چونکہ عام دستور کے مطابق انسان اپنے محسن سے محبت کرتا ہے اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی اللہ تعالی کے احسانات کو سامنے رکھ کر اس سے محبت کریں۔ کہتے ہیں ناں "جس کا کھائیے اس کے گن گایئے"۔ اسلئے ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم اللہ رب العزت کی یاد دل میں رکھیں اور اسی کے حکموں کے مطابق زندگی گزاریں۔

دوسری وجہ:

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ قادر مطلق اور فاعل حقیقی وہی ذات ہے۔ وہی فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (البروج:16) ہے ہونا تو وہی ہے جو وہ چاہے گا۔ کیا نہیں دیکھتے کہ سیدنا نوح علیہ السلام چاہتے ہیں کہ میرا بیٹا بچ جائے، اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں مگر وہی ہوا جو اللہ رب العزت نے چاہا، آنکھوں کے سامنے بیٹا غرق ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ قربانی دینے کیلئے تیار ہیں فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (الصّٰفّٰت:103) باپ نے بیٹے کو لٹا لیا، چھری اوپر رکھ کر پھیرنا چاہتے ہیں، باپ ذبح کرنا چاہتا ہے اور بیٹا ذبح ہونا چاہتا ہے مگر اللہ تعالی نہیں چاہتے لہذا وہاں بیٹے کی بجائے کوئی اور جانور ذبح ہو جاتا ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب ایمان لے

آئیں۔اس کیلئے بہت کوششیں فرمائیں حتیٰ کہ آخری وقت میں فرمایا، میرے چچا! میرے کان میں کلمہ پڑھ لیں میں قیامت کے دن گواہی دے دوں گا مگر اللہ رب العزت فرماتے ہیں، اے میرے محبوب ﷺ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص:56) آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں بلکہ جسے اللہ تعالی چاہتے ہیں اسے ہدایت دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ پانی میں شہد ملا کر نوش فرمایا کرتے تھے۔کسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارادہ فرمالیا کہ آج کے بعد شہد ملا پانی نہیں پیوں گا۔مگر اللہ رب العزت نہیں چاہتے کہ ایسا ہو، لہٰذا ارشاد فرمایا يَآ يُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التحریم:1)

میرے دوستو! جب یہ انبیاءؑ اور سید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام بھی اللہ رب العزت کے سامنے عاجز ہیں اوران کی بھی وہی بات پوری ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو پھر کیوں نہ ہم بھی اسی پروردگار عالم کی محبت کا دم بھریں۔

تکمیل ایمان کا معیار:

بلکہ جس سے وہ پروردگار محبت فرمائے اس سے محبت کریں اور جس سے اس کو عداوت ہے ہم بھی اس کے ساتھ عداوت رکھیں۔اسی لئے حدیث مبارکہ میں آیا مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (سنن ابی داؤد ص354 ح4683) کہ جس نے اللہ تعالی کیلئے محبت کی، اللہ تعالی کیلئے نفرت کی، اللہ تعالیٰ کیلئے ہی دیا اور اللہ تعالی کیلئے منع کیا اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔تو سیدھی سی بات یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ہمیں اپنے پروردگار سے محبت کرنی ہے۔ یہ محبت اور عشق جب تک دل میں نہیں ہوگا اس وقت تک ایمان حقیقی کی لذت نصیب نہیں ہوگی۔

اب ایک اور انداز میں بات کو سمجھنے کی کوشش کریں....... جس مشین کو کسی نے بنایا ہو وہ اس کی صفات اور نقائص کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اس لئے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کا حدود اربعہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں انسان کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں مثلاً اشرف المخلوقات فرمایا گیا وہاں اس انسان کی پانچ خامیوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

انسان ظالم ہے:

ایک خامی یہ ہے کہ ظَلُومًا (الاحزاب:72) یعنی یہ ظالم ہے۔ لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ کسی میں ظلم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں عدل کے ہونے کی استعداد موجود ہے۔

انسان جاہل ہے:

دوسری خامی یہ بتائی کہ جَهُولًا (الاحزاب:72) یعنی انسان جاہل ہے۔ یہاں بھی دیکھیں کہ جاہل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں علم حاصل کرنے کی استعداد موجود ہے۔ گویا یہ دو الفاظ (ظالم اور جاہل) جہاں انسان کے عیب ظاہر کرتے ہیں وہاں اس خوبیوں کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ اگر انسان محنت کرے گا تو یہ اپنے ظلم کو عدل میں اور اپنے جہل کو علم میں بدل سکتا ہے اور اگر یہ محنت نہ کرے تو یہ ظالم بھی ہوگا اور جاہل بھی۔

انسان کمزور ہے:

تیسری خامی بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (النسآء:28) کہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے انسان کو ضعیف البنیان کہتے ہیں۔ یہ اتنا کمزور ہے کہ اس کے دماغ میں ایک Fear of unknown (اجنبی سا خوف) ہر وقت رہتا ہے۔ دیکھئے کہ امریکہ کا

صدر بل کلنٹن اپنے آپ کو سپر پاور کہتا ہے مگر نجومی کو بلا کر پوچھتا ہے کہ اگلے دنوں میں میرا کیا بنے گا۔ مادی اعتبار سے اتنی طاقت ہے کہ اس کے ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول ہے مگر کمزور ہونے کی وجہ سے اندر ڈر بھی ہے کہ پتہ نہیں مستقبل میں میرے ساتھ کیا ہوگا۔ انسان اتنا کمزور ہے کہ ایک چھوٹا سا وائرس اسے بیمار کر دیتا ہے اور حکیم، ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ لا علاج مرض ہے۔ حالانکہ وہ وائرس اور جرثومہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ انسان آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا مگر وہی چھوٹا سا جرثومہ انسان کو موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔

انسان جلد باز ہے:

چوتھی خامی یہ بتائی کہ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا (بنی اسرآئیل: 11) عجولا کا مطلب ہے جلد باز۔ یہ انسان اپنی سرشت کے اعتبار سے جلد باز ہے۔ چنانچہ چار دن نوافل پڑھے گا اور پانچویں دن امید کرے گا کہ شبلیؒ اور جنید بغدادیؒ کی طرح میری دعائیں قبول ہونی چاہیئں۔ ایک دعا کو دو دفعہ مانگ لے تو کہتا ہے کہ اب تو یہ دعا ضرور پوری ہونی چاہئے۔ اللہ کے بندے! اللہ رب العزت نے نماز کا حکم ساڑھے سات سو مرتبہ سے زیادہ دیا، اس کو تو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا مگر خود اگر کسی کو تین دفعہ ایک کام کہہ دے تو چوتھی دفعہ غصہ سے آنکھیں سرخ کر کے کہتا ہے کہ تو نے سنا نہیں، تجھے تین دفعہ کہا ہے۔ اس مالک الملک نے، اس احکم الحاکمین نے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزمر: 63) جس کے ہاتھ میں آسمان اور زمین کی کنجیاں ہیں ساڑھے سات سو مرتبہ سے زیادہ نماز کا حکم دیا مگر ہم اللہ اکبر کی آواز سن کر پھر بھی مسجد میں نہیں آتے تو ہم نے اس کے حکم کا کیا بھرم رکھا؟ یہ انسان کی جلد بازی ہی ہے کہ تھوڑی سی محنت پر بڑی بڑی توقعات وابستہ کر لیتا ہے۔

انسان تھوڑے دل والا ہے:

پانچویں خامی یہ بیان فرمائی کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (المعارج:19) ھلوعا عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے " تھوڑ دلا"۔ جی کا کچا، تھوڑے دل والا۔ تو یہ انسان تھوڑے دل والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوشی ملنے پر پھول جاتا ہے اور تھوڑی سی پریشانی آنے پر مرجھا جاتا ہے۔ اگر اسے کامیابی ملے تو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ انٹرویو میں پاس ہو جائے تو کہتا ہے کہ جی ہاں' جب اس نے سوال پوچھا تو میں نے یہ جواب دیا، اس نے جب یوں کہا تو میں نے پھر یوں کہا اور میں کامیاب ہو گیا۔ اور اگر انٹرویو میں ناکام ہو جائے اور پوچھیں کہ عزیزم! کیا بنا؟ تو کہتا ہے، جیسے اللہ کی مرضی۔ جب کامیابی تھی تو اپنی طرف منسوب کی کہ میں نے یوں کیا، ناکامی ہوئی تو اب اپنی طرف منسوب نہیں کرتا کہ میں نے گڑ بڑ کی۔ " جیہڑا پُٹھا کم۔ جی جو اللہ دی مرضی"۔ جناب اگر یہ اللہ کی مرضی ہے تو جو کامیابیاں ملی تھیں کیا وہ اللہ رب العزت کی مرضی نہیں تھی۔ ہم کریڈٹ اللہ رب العزت کو کیوں نہیں دیتے۔ اس لئے کہ اس وقت ہمارا نفس ہم پر سوار ہوتا ہے۔ حالانکہ حق تو یہ تھا کہ ہم خوبیوں کو اس کی طرف منسوب کرتے اور خامیوں کو اپنی طرف منسوب کرتے۔

اتنا بڑا سودا:

اب بتائیے کہ انسان میں یہ کتنے بڑے بڑے نقائص ہیں۔ جس مشین میں اتنے بڑے نقائص ہوں بھلا اس مشین کو کوئی خریدتا ہے؟ کوئی نہیں خریدتا۔ مگر شاعر نے ایک عجیب بات کہی:

تُو بہ عِلمِ اَزل مُرا دِیدی　دِیدی آنگہ بعیب بخَرِیدی
تو بہ علم آں و مَن بعیب ہُماں　رَد مکُن آنچہ خُود پَسَندِیدی

اے اللہ! تو نے مجھے ازلی علم کے ساتھ دیکھا۔ تو نے میرے تمام عیوب کے ساتھ مجھے دیکھا اور پھر خرید لیا۔ تو وہی علم والا ہے اور میں وہی عیبوں والا ہوں۔ اے اللہ! اب اسے رد نہ کر جسے تو نے خود پسند کیا تھا۔

یہاں پسند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عیب تو اتنے زیادہ تھے مگر اللہ رب العزت نے اتنے عیبوں کے باوجود اپنی طرف سے سودا کر کے عہد نامہ لکھ دیا اور اس کا اعلان فرما دیا اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ(التوبہ: 111) بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کے جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

یہاں نام تو جنت کا لیا گیا مگر اس سے مراد باغات نہیں تھے بلکہ جنت کے اندر چونکہ اس کو اللہ رب العزت کا مشاہدہ نصیب ہوگا اس لئے گویا یوں فرمایا کہ ہم نے تمہاری جان اور مال کو اپنے مشاہدے کے بدلے میں خرید لیا کیونکہ وہاں مشاہدہ حق نصیب ہوگا یہ ممکن ہی نہیں کہ آدمی جنت میں بھی جائے اور مشاہدہ نہ ہو۔ سبحان اللہ کتنا بڑا سودا کیا۔ کہنے والے نے کہا:

جب تک بِکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا تو نے خرید کر ہمیں اَنمول کر دیا

محبت الٰہی کا جذبہ:

انسان کے اندر اپنی تخلیق کے اعتبار سے نقائص تو بہت ہیں مگر اس میں ایک عجیب جذبہ رکھ دیا گیا ہے۔ وہ جذبہ اگر آ جائے تو انسان کی کمزوری کو اس کی قوت میں بدل دیتا ہے، انسان کے جہل کو اس کے علم میں بدل دیتا ہے، انسان کی کوتاہی کو اس کی خوبیوں میں تبدیل کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس جذبہ کا نام "محبت الٰہی" ہے۔ یہ محبت الٰہی کا جذبہ انسان کیلئے ایسا ہے جیسے کسی پودے کیلئے پانی ہوتا ہے۔ پانی نہ ملے تو سرسبز پودے کے پھول اور پتیاں مرجھا کر زمین پر گر جاتی ہیں

اور اگر اس مرجھائے ہوئے پودے کو پانی دے دیجئے تو وہ پھر کھل اٹھتا ہے۔ انسان کے اندر محبت الٰہی کے جذبہ کی مثال بھی یہی ہے کہ جس انسان میں محبت الٰہی کا جذبہ بیدار ہو جائے اس کی صفات کھلنا شروع ہو جاتی ہیں اور اس میں ایمان کی خوشبو آنے لگتی ہے اور خوشبو ماحول کو مہکا دیا کرتی ہے۔

عشق اور عقل کا موازنہ:

بسا اوقات انسان عقل کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے اور بسا اوقات محبت اور عشق کے جذبہ کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ انسان کی عقل تو عیار ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے　　عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ واعظ نہ خطیب

جس بندہ میں عشق الٰہی کا جذبہ ہو اللہ رب العزت کے ہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اگر عقل کے زور پر عبادت کریں گے تو عبادت تو لکھی جائے گی مگر یہ بنیاد کمزور ہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں　　عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا:

نالہ ہے بُلبل شُورِیدہ تیرا خام ابھی　　اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اَندیش ہو عقل　　عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمُودہ قاصد سے سُبُک گام عمل　　عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے مَحوِ تماشائے لَبِ بام ابھی

عقل کھڑی دیکھ رہی ہوتی ہے اور عشق ان معاملات سے گزر جاتا ہے، ان منزلوں کو عبور کر لیا کرتا ہے۔ عقل کی پرواز وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں عشق کے پروں سے انسان پہنچتا ہے۔

عشق الٰہی کی اہمیت:

کسی شاعر نے کہا:

عشق نہ ہو تو شَرع و دِیں بُتکدہء تصورات

عشق نہ ہو تو یہ شرع و دین فقط تصورات ہیں۔ان میں جان نہیں ہوتی۔ان میں جان تب پڑتی ہے جب دل میں محبت الٰہی اور عشق الٰہی کا جذبہ ہو۔پھر انسان کے اعمال میں جان آتی ہے۔اسی لئے مانگنے والوں نے عشق کی انتہا مانگی۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
چھوٹا سا دل ہوں مگر شوخ اتنا وہی لَن ترَانِی سننا چاہتا ہوں

یہ عشق ہی تو ہے جس نے دین میں رنگ بھر دیا ہے۔محبت الٰہی نہ ہو تو پھر پیچھے کیا رکھا ہے۔اے اللہ! تیرے عشق کے سوا پھر پیچھے کیا بچا! ہمیں اللہ تعالی سے اس کا عشق مقصود بنا کر مانگنا چاہئے۔

اللہ سے اللہ کو مانگئے:

یہی عشق الٰہی والی نعمت ہی ہے جس کے حصول کیلئے ہمیں پوری زندگی عطا کی گئی۔اس لئے اگر انسان اللہ رب العزت سے مانگے تو اللہ رب العزت کو ہی مانگے،اس کی محبت مانگے،اس کا عشق مانگے۔آج اللہ تعالی سے مال مانگنے والے بہت ہیں،کاروبار مانگنے والے بہت ہیں،گھربار مانگنے والے بہت ہیں لیکن اللہ سے اللہ کو مانگنے والے بہت تھوڑے ہیں۔بہت تھوڑے ہیں جو اس لئے ہاتھ اٹھاتے ہوں کہ میں تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں، میں تیری محبت مانگتا ہوں۔میرے دوستو! کسی نے گھربار مانگا، کاروبار مانگا، بیوی بچے مانگے یا پوری دنیا مانگ لی تو یقین کیجئے کہ اس نے کچھ نہ مانگا اور اگر اللہ کا عشق مانگا تو سب کچھ مانگ لیا۔کیونکہ یہ سب کچھ عشق الٰہی کے سامنے ہیچ ہے۔اس لئے اس کو تمنا بنا کر مانگئے

کہ رب کریم! ہم تیرا ایسا عشق چاہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہماری رگ رگ اور ریشہ ریشہ سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔

لَيْتَكَ تَحْلُوْا وَالْحَيٰوةُ مَرِيْرَةٌ　وَلَيْتَكَ تَرْضٰى وَالْاَنَامُ غِضَابٌ

وَلَيْتَ الَّذِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ عَامِرٌ　وَبَيْنِيْ وَ بَيْنَ الْعَالَمِيْنَ خَرَابٌ

اے کاش! تو میٹھا ہو جائے اگرچہ ساری دنیا میرے ساتھ تلخ ہو جائے اور میرے اور تیرے درمیان جو رشتہ ہے کاش کہ وہ آباد ہو جائے اور میرے اور مخلوق کے درمیان جو رشتہ ہے وہ بیشک خراب ہو جائے۔

رابعہ بصریہؒ کی اللہ تعالیٰ سے محبت:

رابعہ بصریہؒ کے بارے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ تہجد کے بعد یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! سورج غروب ہو چکا، رات آ گئی، آسمان پر ستارے چمکنے لگ گئے، دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے، تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے اس لئے تیرے سامنے دامن پھیلاتی ہوں۔ سچ ہے کہ اللہ تعالی سے مانگنے کا مزہ بھی وہی لوگ جانتے تھے۔

جھوٹی محبت والے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا، میرے ان بندوں سے کہہ دو کہ جھوٹا ہے وہ شخص جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرے اور رات آ جائے تو سو جائے۔ کیا ہر عاشق اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی نہیں چاہتا۔ یہ جو میری محبت کے دعوے کرتے ہیں انہیں چاہیئے تھا کہ میرے سامنے سربسجود ہوتے اور راز و نیاز کی باتیں کرتے۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کی محبت:

حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ ایک بہت بڑے شیخ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ تشریف لے گئے۔ حضرت نے فرمایا، اشرف علی! جب سجدہ کرتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ

نے میرا پیار لے لیا ہو۔اور اشرف علی! جب قرآن پڑھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے پروردگار سے ہمکلامی کر رہا ہوں اور مجھے اتنا مزہ آتا ہے کہ جنت میں اگر کچھ حوریں میرے پاس آئیں تو میں ان سے کہوں گا، بی بی! مجھے تھوڑا سا قرآن سنا دو۔سبحان اللہ،ان لوگوں کو کتنا مزہ آتا ہوگا!!! وہ سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ تھے اور مراقبہ کو " پریم پیالہ " کہتے تھے۔مراقبہ میں اتنا مزہ آتا تھا کہ مراقبہ کیلئے بیٹھتے تو مریدین سے فرماتے کہ آؤ! پریم پیالہ پئیں۔

محبت الٰہی کی لذتیں:

امام رازیؒ عجیب بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ اور رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ۔سبحان اللہ۔جی ہاں! عشق الٰہی والے حضرات رات کے اندھیرے کے ایسے ہی منتظر ہوتے ہیں جیسے دلہا اپنی دلہن سے ملاقات کا منتظر ہوا کرتا ہے۔کیوں؟ اس لئے کہ ان کو لذت ملتی ہے۔دیکھیں ایک لذت انسان کو زبان سے ملتی ہے۔کھانے پینے سے انسان کو ایسی لذت ملتی ہے کہ کبھی مسٹر برگر کی طرف جا رہا ہوتا ہے، کبھی چائنیز سوپ کی طرف جا رہا ہوتا ہے اور کبھی کسی اور چیز کی طرف۔لہٰذا کچھ لذتیں انسان کی زبان کے ساتھ وابستہ ہیں۔کچھ لذتیں انسان کی آنکھ کے ساتھ وابستہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب کسی خوبصورت چیز یا خوبصورت منظر کو دیکھتا ہے تو لطف اندوز ہوتا ہے۔کچھ لذتیں انسان کے کان کے ساتھ وابستہ ہیں۔جب اچھی آواز سے تلاوت ہو رہی ہو قاری عبدالباسط، عبدالصمد پڑھ رہے ہوں تو بڑا لطف آتا ہے۔جی چاہتا ہے کہ سنتے ہی رہیں۔اسی طرح کچھ لذتیں انسان کے قلب کے ساتھ وابستہ ہیں۔وہ محبت اور عشق کی لذتیں ہیں۔

جب یہ قلب تمام اعضاء کا سردار ہے تو اس سے وابستہ لذتیں بھی سب اعضاء کی لذتوں پر فائق ہوں گی۔ہم ان لذتوں کو کیا جانیں۔"جنہاں لائیاں نہ لاڈھیاں اکھیاں رنگ بھریاں" وہ کیا جانیں؟ جن کو

عشق الٰہی کی لذتیں نصیب ہوجائیں وہ تو پھر یوں کہا کرتے ہیں:

اللہ اللہ اِیں چہ شیرین اَسْت نام شِیر و شُکَر می شَوَد جانم تمام

اللہ اللہ یہ کتنا میٹھا نام ہے کہ جس کو لینے سے میرے بدن میں یوں مٹھاس آ گئی جیسے چینی کو ڈالنے سے دودھ میٹھا ہو جاتا ہے۔

عشق ایک آگ ہے:

اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَا سِوَی اللّٰہِ عشق ایک آگ ہے جو ماسویٰ اللہ کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس پر عجیب اشعار لکھے۔ ایک شعر کا ترجمہ کسی شاعر نے اردو میں بھی کر دیا۔ وہ ہمارے لئے سمجھنا آسان ہے۔ فرمایا:

عشق کی آتش کا جب شعلہ اٹھا مَاسِوٰی معشوق سب کچھ جل گیا
تیغ لا سے قتل غیر حق ہوا دیکھئے پھر بعد اس کے کیا بچا
پھر بچا اللہ باقی سب فنا مرحبا اے عشق تجھ کو مرحبا!

جب عشق دل میں ہوتا ہے تو یہ ماسویٰ پر تلوار بن کر چلتا ہے۔ انسان کے اندر ناز، نمود، نخرہ، انانیت سب کچھ توڑ کر رکھ دیتا ہے۔

شاد باد اے عشق خوش سَودَائے ما اے طبیب جملہ عِلَت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما اے کہ افلاطون و جالینوس ما

یہ عشق تو بندے کے لئے افلاطون اور جالینوس بن جاتا ہے۔ جی ہاں!

عشق الٰہی کی شدید کمی:

میرے دوستو عشق الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اعمال میں جان نہیں ہے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے　　وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج　　یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

وہ جو انسان کے اندر عشق الٰہی کا جذبہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے انسان زندہ ہوتا تھا، آج وہ نہیں ہے۔ایک وقت تھا کہ یہ سینے کا دل عشق الٰہی سے انگارے کی طرح گرم ہوا کرتا تھا اور آج تو جلے ہوئے کوئلے کی طرح بالکل ٹھنڈا ہوا پڑا ہے۔ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

حقیت خرافات میں کھو گئی　　یہ امت روایات میں کھو گئی
لُبھاتا ہے دل کو بیان خطیب　　مگر لذت شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد　　عجم کے خیالات میں کھو گیا
وہ سالک مقامات میں کھو گیا　　بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

آج کا مسلمان راکھ کا ڈھیر بن گیا ہے۔ سینے میں محبت الٰہی کے وہ انگارے نہیں جل رہے جو اس کے سینے کو گرما رہے ہوں۔ جو اسے کبھی نمازوں میں کھڑا کر رہے ہوں، جو اسے اپنے محبوب سے ملاقاتوں پر مجبور کر رہے ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی اللہ تعالیٰ سے محبت:

نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت سے کیسی شدید محبت تھی! سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب اذان کی اللہ اکبر ہوتی تو نبی کریم ﷺ مجھے پہچاننا چھوڑ دیتے تھے۔ میں کئی مرتبہ سامنے آتی تو آپ ﷺ پوچھتے، تم کون

ہو؟ میں کہتی، عائشہ۔ پوچھتے، عائشہ کون؟ میں کہتی، ابوبکرؓ کی بیٹی ہوں۔ پوچھتے، ابوبکر کون؟ میں اس وقت پہچان لیتی کہ اب ایک نام دل میں اتنا غالب آچکا ہے کہ دنیا میں کسی اور کو یہ نہیں پہچانیں گے۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ اور محبت الٰہی:

محبت الٰہی کا جذبہ انسان کے دل میں موجود ہو تو اللہ تعالیٰ بڑی قدر دانی فرماتے ہیں محبت میں ایسی کیفیت ہو جیسی حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کو نصیب تھی۔

یہ ایک نوجوان صحابیؓ تھے جو مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ایک بستی میں رہتے تھے۔ دوستوں سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ میں ایک پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ حاضر ہوئے اور چوری چھپے کلمہ پڑھ لیا۔ واپس گھر آگئے۔ گھر کے سب لوگ ابھی کافر تھے لیکن محبت تو وہ چیز ہے جو چھپ نہیں سکتی۔ اپنی طرف سے تو چھپایا کہ کسی کو پتہ نہ چلے مگر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا کوئی تذکرہ کرتا تو یہ متوجہ ہوتے۔

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی جب تیرا کسی نے نام لیا

چنانچہ گھر والوں نے اندازہ لگا لیا کہ کوئی نہ کوئی معاملہ ضرور ہے۔ ایک دن چچا نے کھڑا کر کے پوچھا، بتاؤ بھئی! کلمہ پڑھ لیا ہے؟ فرمانے لگے، جی ہاں۔ چچا کہنے لگا، اب تیرے سامنے دو راستے ہیں۔ یا تو کلمہ پڑھ کر اس گھر سے نکل جا اور اگر گھر میں رہنا ہے تو پھر ہمارے دین کو قبول کر لے۔ چنانچہ ایک ہی لمحہ میں فیصلہ کر لیا۔ فرمایا، میں گھر تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اللہ کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چچا نے مارا پیٹا بھی سہی

قابل رشک سفر آخرت:

کچھ عرصہ گزرا نبی کریم ﷺ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہؓ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچے تو بخار ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ ابوبکرؓ و عمرؓ کو لے کر تشریف لائے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت عبداللہؓ کے چند لمحات باقی تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے سر کو اپنی گود

مبارک میں رکھ دیا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابیؓ ہیں جن کی نگاہیں چہرہ ءرسول ﷺ پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ سبحان اللہ! گود مبارک میں ہی اپنی جان اس کیفیت میں جان آفریں کے سپرد کردی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کے کفن دفن کی تیاری کرو۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر بھجوائی اور فرمایا کہ عبداللہ کو اس چادر میں کفن دیا جائے گا۔ سبحان اللہ! واہ اللہ! تو بھی کتنا قدر دان ہے کہ جس بدن کو تیری راہ میں ننگا کیا گیا تھا آج اس بدن کو تو اپنے محبوب ﷺ کی کملی سے چھپا رہا ہے۔ سبحان اللہ، سودا تو کر کے دیکھیں، پھر دیکھیں اللہ رب العزت کیسی قدر دانی فرماتے ہیں۔ ہم لوگ ہی بے قدرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر:67) اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہئے تھی۔

خود نبی اکرم ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ پھر جنازہ لے کر قبرستان کی طرف چلے شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی میت کا سب سے زیادہ قریبی ہو وہ قبر میں اس کو اتارنے کیلئے اترے۔ اس وقت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی کھڑے تھے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے خود قبر میں اتر کر فرمایا، اپنے بھائی کو پکڑا دو مگر ان کے ادب کا خیال رکھنا۔ آپ ﷺ نے اس عاشق صادق کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور زمین پر لٹا دیا۔ گویا اپنی امانت کو زمین کے سپرد کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی حسرت:

حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے جب ان کو زمین پر رکھا تو آپ ﷺ نے ارشاد

فرمایا "اے اللہ! میں عبداللہؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا" یہ ایسے الفاظ تھے کہ حضرت عمرؓ بھی سن کر وجد میں آ گئے اور کہنے لگے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کاش! آج نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں میری میت ہوتی۔ دیکھا! محنت مجاہدہ اور قربانیاں کرنے والوں کو اللہ رب العزت یوں بدلہ دیا کرتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ جو آقا اپنے کمزور بندوں کو حکم ارشاد فرماتا ہے کہ هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الرحمن:60) تو اگر کوئی اس کیلئے قربانیاں دے تو کیا اللہ رب العزت قدردانی نہیں فرمائیں گے؟ ضرور فرمائیں گے۔ سبحان اللہ

سیدہ زنیرہؓ اور محبت الٰہی:

سیدہ زنیرہؓ ایک صحابیہؓ ہیں جو کہ ابوجہل کی خادمہ تھیں۔ آپؓ نے کلمہ پڑھ لیا۔ ابوجہل کو بھی پتہ چل گیا۔ اس نے آکر پوچھا، کیا کلمہ پڑھ لیا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ آپؓ بڑی عمر کی تھیں، مشقتیں نہیں اٹھا سکتی تھیں مگر ابوجہل نے اپنے دوستوں کو ایک دن بلایا اور انکے سامنے بلا کر اس نے انہیں مارنا شروع کر دیا۔ لیکن برداشت کرتی رہیں۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے نام پر اس سے بڑی تکالیف بھی برداشت کرنے کے لئے تیار تھیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اتنا مارنے کے باوجود اس کی زبان سے کچھ نہیں نکلا تو اس نے آپؓ کے سر میں کوئی چیز ماری جس سے آپؓ کی بینائی زائل ہوگئی اور آپؓ نابینا ہوگئیں۔

اب انہوں نے مذاق کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے، دیکھا تو ہمارے بتوں کی پوجا چھوڑ چکی تھی لہذا ہمارے معبودوں نے تمہیں اندھا کر دیا۔ مار برداشت کر چکی تھیں، مشقتیں اٹھا چکی تھیں، یہ سب سزائیں برداشت کرنا آسان تھیں مگر جب انہوں نے یہ بات کہی تو آپؓ برداشت نہ کر سکیں۔ چنانچہ فوراً تڑپ اٹھیں۔ اسی وقت کمرے میں جا کر سجدہ میں گر گئیں۔ اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز کی

باتیں کرنے لگ گئیں۔ عرض کیا، اے اللہ! انہوں نے مجھے سزائیں دیں تو میں نے برداشت کیں، وہ میری ہڈیاں بھی توڑ دیتے، وہ میرے جسم کو چھلنی کر دیتے تو میں یہ سب کچھ برداشت کر لیتی مگر تیری شان میں گستاخی کی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں نے تمہاری بینائی چھین لی۔ اے اللہ! جب میں کچھ نہیں تھی تو تُو نے مجھے بنا دیا، بینائی بھی عطا کر دی۔ اب تو نے ہی بینائی واپس لی ہے۔ اے اللہ! تو مجھے دوبارہ بینائی عطا فرما دے تاکہ ان پر تیری عظمت کھل جائے۔ ابھی دعا والے ہاتھ چہرے پر نہیں پھیرے تھے کہ اللہ رب العزت نے آپ کی بینائی لوٹا دی۔ سبحان اللہ، اس وقت مرد تو مرد تھے عورتوں میں بھی یوں محبت الٰہی کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔

حضرت آسیہؓ کے عشق ومحبت کی داستان:

اب آپ کو ایک ملکہ کا واقعہ بتاتا ہوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس قدر محبت تھی۔ اس کا نام حضرت آسیہؓ تھا۔ وقت کے بادشاہ فرعون کی بیوی تھی۔ اللہ رب العزت نے ان کو حسن و جمال کا پیکر بنا دیا تھا، پری چہرہ بنا دیا تھا، نازک اندام بنا دیا تھا۔ اس لئے فرعون ان سے عشق کرتا تھا اور ان کے نخرے اٹھاتا تھا۔ ہر قسم کی سہولت اور آسائش موجود تھی۔ جو چاہتی کپڑے پہنتی، جیسے چاہتی گھر کو سجاتی، جیسے چاہتی آسائش کا کھانا کھاتی۔ بیسیوں نوکرانیاں ان کی خدمت کیلئے ہر وقت موجود رہتی تھیں، جب وہ آنکھ اٹھا کر دیکھتی تو نوکرانیاں بھاگ پڑتیں۔ کوئی کام نہیں کرتی تھیں، سارا دن شاہی محل میں حکم چلاتی رہتی تھیں۔ غرض ہر لحاظ سے آسودگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

اتنے میں پتہ چلا کہ اللہ نے ایک نیک بندے کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے بندوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا۔ ان کی یہ توحید والی بات ان کے کانوں تک بھی پہنچی اور دل میں اترتی چلی گئی۔ ان کے دل نے گواہی دی کہ باتیں تو حضرت موسیٰؑ سچی کرتے ہیں مگر میرا خاوند فرعون تو خود خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

کئی دن اسی سوچ بچار میں گزر گئے کہ اب میں کیا کروں۔ دل نے گواہی دی کہ پروردگار تو اللہ ہے۔ پروردگار تو وہی ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی، جبکہ میرا خاوند تو میری منت سماجت میں لگا رہتا ہے اور میری خوشنودی چاہتا ہے، بھلا یہ کیسے خدا ہوسکتا ہے۔ مگر چونکہ عورت تھیں اس لئے دوسری طرف خوف بھی آتا تھا کہ اگر میں نے کوئی بات کی تو میری یہ سب سہولتیں چھن جائیں گی اور مجھ پر مصیبتیں پڑ جائیں گی۔ لیکن دل نے گواہی دی، آسیہ! یہ دنیا کی آسائشیں تھوڑی ہیں، یہ سب عارضی چیزیں ہیں، آخرت کی آسائشیں اصل چیز ہے حضرت موسیٰؑ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہی باتیں سچی ہیں۔ چنانچہ چوری چھپے اللہ رب العزت پر ایمان لے آئیں اور حضرت موسیٰؑ کو بھی اپنے ایمان کے بارے میں بتلا دیا۔

اب دل میں اللہ کی محبت آ گئی سوچ کا انداز بدل گیا۔ اب رہتی تو فرعون کے پاس تھیں مگر دل فرعون سے دور ہو گیا۔ فرعون سے نفرت ہونے لگ گئی۔ محل میں رہتی تھیں مگر دل میں ایمان رچ بس چکا تھا۔ فرعون کو شروع میں تو پتہ نہ چلا۔ بالآخر ایک ایسا وقت آیا کہ فرعون کو ان کی باتوں کے انداز سے پتہ چل گیا۔ کیونکہ جب فرعون حضرت موسیٰؑ کی باتیں کرتا تھا تو یہ بڑے غور سے سنتی تھیں۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی باتیں کرتا تھا اس وقت ان کے تاثرات بدل جاتے تھے۔

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی جب تیرا کسی نے نام لیا

جب فرعون ان کے سامنے اللہ کا نام لیتا تھا تو وہ پھڑک اٹھتیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا سمندر دل میں ٹھاٹھیں مارنے لگتا۔ چنانچہ فرعون پر بات کھل گئی کہ میری بیوی تو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا چکی ہے۔ اس نے بڑا سمجھایا کہ تو ایسا نہ کر، میں تجھ سے پیار کرتا ہوں اور تجھے ہر قسم کی سہولت حاصل ہے۔ کہنے لگی کہ نہیں حقیقت تو وہی جو میرے دل میں اتر چکی ہے۔ میں اس کو بالکل نہیں چھوڑ سکتی۔ چنانچہ باتیں ہوتی رہیں اور وقت گزرتا گیا۔

ایک دن جب فرعون بڑی محبت کا اظہار کررہا تھا تو انہوں نے اپنے خاوند کو سمجھایا کہ جب آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں تو میری بات مان لیں کہ آپ بھی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں۔فرعون کا دل اس وقت موم ہو گیا۔ کہنے لگا، میں جاتا ہوں ان کے پاس اور ایمان لے آتا ہوں۔ چنانچہ وعدہ کر کے چل پڑا۔ابھی راستے ہی میں تھا کہ اسے ہامان مل گیا۔ وہ اس کا وزیر تھا، بڑا مشیر تھا۔فرعون نے کہا کہ میں نے دل میں ارادہ کرلیا ہے کہ میں موسیٰؑ کے پروردگار پر ایمان لے آؤں۔ ہامان یہ سن کر کہنے لگا، توبہ توبہ، غلام کا خادم بننے سے تو زیادہ بہتر ہے کہ آدمی آگے جا کر جہنم کے عذاب میں جل مرے۔ فرعون پر اس کی بات اثر کر گئی۔لہٰذا فرعون وہیں سے واپس لوٹ گیا۔ کہنے لگا، ہاں میں غلام کا غلام نہیں بن سکتا۔ چنانچہ ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ جب وہ منکر بن گیا تو حضرت آسیہؓ نے اس کو لعن طعن کی کہ تو اپنے وعدے سے پھر گیا۔ جب دونوں میاں بیوی میں باتیں ہوئیں تو فرعون غصہ میں آ کر کہنے لگا کہ میں تجھے مزہ چکھا دوں گا۔ وہ کہنے لگیں پھر تو جو کر سکتا ہے کر لے۔ چنانچہ سہولتوں اور آسائشوں پہ لات ماردی اور ساری نعمتوں کو پیچھے پھینک دیا۔ کہنے لگیں، تو مجھے اپنے محل سے تو نکال سکتا ہے مگر میرے دل سے ایمان نہیں نکال سکتا۔

فرعون نے پہلے تو ڈرایا دھمکایا۔ بعد میں پھر اس کیلئے بھی ناک کا مسئلہ بن گیا۔ کہنے لگا، میں تجھے عذاب دوں گا۔ کہنے لگیں، تو جو کر سکتا ہے کر لے میں تیرا عذاب سہنے کیلئے تیار ہوں۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو بلوایا۔ وقت کی ملکہ، پری چہرہ اور نازک بدن کو گھسیٹ کر فرش کے اوپر لٹا دیا گیا۔ کہاں گئیں وہ نعمتیں، کہاں گئے وہ محلات، کہاں گئے وہ نرم بستر، کہاں گئیں وہ ہزاروں باندیاں جو ان کے اشارے کے پیچھے بھاگتی پھرتی تھیں۔ آج یہ اکیلی اللہ کی بندی فرش کے اوپر گھسیٹی جا رہی ہے، بال پکڑے ہوئے ہیں، کان سے پکڑ کر گھسیٹی جا رہی ہے۔ جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا مگر پھر بھی اپنی بات پر ڈٹی رہیں۔

جب فرعون نے دیکھا کہ چھوٹی موٹی سزا سے یہ نہیں بدلی تو اس نے کہا کہ میں تمہیں زمین پر لٹا کر تمہارے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دوں گا۔ کہنے لگیں، تو جو کرسکتا ہے کر لے۔ چنانچہ ان کو لٹا دیا گیا اور ان کے ہاتھ کو زمین کے اوپر رکھ کر درمیان میں لوہے کی ایک بڑی میخ ٹھونک دی گئی۔ تکلیف ہو رہی تھی مگر جانتی تھیں کہ یہ تکلیف اللہ کی خاطر ہے۔ پھر دوسرے ہاتھ کو اسی طرح زمین پر رکھ کر میخ ٹھونکی گئی۔ پھر پاؤں کو اسی طرح زمین پر رکھ کر میخیں ٹھونکی گئیں۔ فرعون نے کہا، تمہارے جسم کے کپڑے اتار لوں گا اور پھر تمہاری کھال کو اتار دوں گا۔ کہنے لگیں تم جو کر سکتے ہو کرلو مگر میں اپنے ایمان سے باز نہیں آؤں گی۔ چنانچہ جیتے جاگتے ان کے جسم سے کھال اتارنا شروع کر دی۔ ذرا سوچئے تو سہی آج بکرے کی کھال اتاری جا رہی ہو تو نرم دل کا آدمی اس کو بھی دیکھ کر پریشان ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ تو عورت ذات تھیں۔ زمین پر لیٹی ہوئی تھیں، ہاتھ پاؤں ہلا نہیں سکتی تھیں، سر ایک جگہ پڑا ہوا تھا اور ان کے جسم سے چاقوؤں اور ریزر کے ذریعے ان کی کھال کو جدا کیا جا رہا تھا۔ زخم لگائے جا رہے تھے، تکلیفوں پہ تکلیفیں اٹھا رہی تھیں مگر سمجھتی تھیں کہ یہ سب کچھ میرے پروردگار کی طرف سے ہے۔

اس پریشانی کے عالم میں انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔ دنیا کا تو جو ساتھی تھا وہ اب دشمن بن چکا تھا۔ اب تو اصل سہارا باقی رہ گیا تھا۔ اسی ذات کو ندا دی کہ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ (التحریم: 11) اے اللہ! مجھے محل سے نکالا جا رہا ہے لیکن تو مجھے اپنے پاس محل عطا فرما دے۔ اے اللہ! یہاں فرعون نے تو اپنے سے دور کر دیا ہے مگر میں تو تیرا ساتھ چاہتی ہوں، مجھے فرعون کا ساتھ نہیں چاہئے۔ اس لئے جب بات کرنے لگیں تو یہ نہ کہا کہ اے اللہ! مجھے محل عطا کر دے بلکہ جنت سے پہلے بَیْتًا کا لفظ کہا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ محل تو چاہتی تھیں مگر اللہ کے پاس چاہتی تھیں۔ اپنے دلدار کے

پاس جانا چاہتی تھیں، اپنے محبوب حقیقی کے پاس جانا چاہتی تھیں۔ اور پھر کہا ہے وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ (التحریم: 11) اور مجھے فرعون سے اور اس کے عملوں سے نجات عطا فرما۔ کتنی ذہین تھیں کہ یہ نہ کہا کہ اے اللہ! مجھے فرعون سے نجات دینا۔ کیونکہ اگر فرعون سے نجات مل بھی جاتی تو کسی اور کے پاس چلی جاتیں اور وہ بھی فرعون کی مانند ہوتا۔ اس لئے دو دعائیں مانگیں۔ سبحان اللہ کیسی کامل دعا مانگی۔

ایک صحابیؓ کی محبت کا واقعہ:

ایک صحابیؓ بکریاں چرانے والے جب کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ آتے تو آ کر پوچھتے کہ حضور اکرم ﷺ نے مزید کیا باتیں بتائی ہیں یا کیا مزید آیات اتری ہیں؟ ایک دفعہ واپس آ کر پوچھا تو پتہ چلا کہ ایک آیت اتری ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کہا کہ میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم کھا کر بات کہی۔ جب اس صحابیؓ نے سنا تو غصہ میں آ گئے اور کہنے لگے، وہ کون ہے جس کو یقین دلانے کی خاطر میرے اللہ تعالیٰ کو قسم کھانا پڑی۔ کیا ہی دل میں محبت تھی! سبحان اللہ۔

دل کس کے لئے ہے؟

لیکن آج کسی دل میں مال کی محبت ہے، کسی دل میں عورت کی محبت ہے، کسی دل میں شہوات کی محبت ہے۔ کیا یہ دل اسی لئے دیا گیا ہے؟ ہرگز نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ (الاحزاب: 4) ہم نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک تو رحمٰن کو دے دے اور دوسرا نفس و شیطان کو دے دے۔ بلکہ دل ایک ہے اور ایک ہی کیلئے ہے۔

محبت الٰہی اللہ کی نظر میں:

بنی اسرائیل میں سے ایک سادہ سا آدمی بیٹھا باتیں کر رہا ہے کہ اے اللہ! میں نے سنا ہے کہ تیری بیوی

نہیں، تیرے بچے نہیں، کبھی میرے پاس آتا تو میں تیری خدمت کرتا، میں تیرے کپڑے دھوتا، تجھے کھانا دیتا۔ حضرت موسیٰؑ ادھر سے گزرے۔ فرمانے لگے، اے اللہ کے بندے! یہ تو اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔ وہ سادہ آدمی تھا، ڈر گیا، کانپ گیا۔ اللہ رب العزت کو اس کا ڈرنا اور کانپنا اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی فرما دی جس کو کسی شاعر نے یوں کہا:

تو بَرائے وَصل کَردَن آمدی نے بَرائے فَصل کردن آمدی

اے نبیؑ میں نے تجھے جوڑنے کیلئے بھیجا تھا توڑنے کیلئے نہیں بھیجا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگرچہ ظاہری طور پر باتوں کا مفہوم ٹھیک نہیں تھا مگر محبت تو اللہ رب العزت سے تھی۔

سیدنا ابراہیمؑ کی اللہ تعالیٰ سے شدید محبت:

اللہ رب العزت سے اتنی محبت کی جائے کہ دنیا میں ہی انسان کو بشارتیں مل جائیں۔ جب سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے "خلیل" (دوست) کا لقب دیا تو فرشتوں نے پوچھا، یا اللہ! کیا ان کو آپ سے اتنی محبت ہے کہ آپ نے خلیل کا لقب دے دیا؟ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا، اگر تمہیں شک ہے تو جا کر امتحان لے لو۔ چنانچہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں سیدنا ابراہیمؑ کے قریب آیا۔ اس وقت آپؑ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے۔ اس فرشتہ نے بلند آواز سے یہ کلمات کہے

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَ الْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَ الْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلَآئِكَةِ وَالرُّوْحِ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ o

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو بڑا مزہ آیا۔ اس طرف متوجہ ہوئے، ایک آدمی نظر آیا۔

آپ نے فرمایا کہ ذرا یہی کلمات دوبارہ سنا دیجئے۔ وہ کہنے لگا، کیا معاوضہ دو گے؟ فرمایا، آدھی بکریاں لے لینا۔اس نے دوبارہ یہی کلمات کہے۔اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ لطف آیا۔ چنانچہ پھر مطالبہ کیا کہ ایک مرتبہ پھر سنا دیجئے۔ وہ کہنے لگا، اب کیا دو گے؟ فرمایا باقی بکریاں بھی لے لینا۔اس نے پھر یہی کلمات کہے۔اس دفعہ اور زیادہ مزہ اور لطف آیا۔ آپ سے رہا نہ گیا، فرمایا، ایک بار پھر سناؤ۔ وہ کہنے لگا، اب تو آپ کے پاس بکریاں بھی نہیں ہیں مجھے کیا دو گے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ بکریاں چرانے کیلئے چرواہے کی ضرورت ہوگی لہذا مجھے چرواہے کے طور پر اپنے پاس نوکر رکھ لینا۔ یہ سن کر وہ فرشتہ بولا کہ میں تو ایک فرشتہ ہوں اور امتحان لینے کی غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں آپ امتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ آپ کو واقعی اللہ رب العزت سے اتنی محبت ہے کہ " خلیل " کا لقب ضرور ملنا چاہئے تھا۔اللہ اکبر

محبت کا معیار:

جی ہاں، جن کو اللہ سے محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت ہوتی ہے۔مگر اللہ تعالیٰ سے محبت کیسی ہو؟ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:165) ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ یہاں فقط یہ نہیں کہا کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے بلکہ محبت کا ایک معیار بیان فرما دیا کہ شدید محبت ہو۔

محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن محبت نہیں جس میں شدت نہیں ہے
محبت کے انداز ہیں سب پرانے خبردار ہو اس میں جدت نہیں ہے

گویا محبت تقاضا کرتی ہے کہ اس میں شدت ہونی چاہئے۔

سلف صالحین کا محبت الٰہی میں استغراق:

یہ شدید محبت انسان کی عبادات میں رنگ بھر دیتی ہے، یہ شدید محبت اس کو تنہائیوں کی لذت عطا کر

دیتی ہے، یہ شدید محبت اس کو چپ کا مزہ دے دیا کرتی ہے۔ ہم چپ کا مزہ کیا جانیں؟ ہم تو ہر وقت ٹر ٹر کرنے والے ہیں، محفلوں میں ہنسنے کھیلنے والے ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ رات کی تنہائیوں کا مزہ کیا ہوتا ہے، ہمیں کیا پتہ کہ خالق سے جب انسان تار جوڑ کر بیٹھتا ہے تو اس وقت کی کیفیت کی لذتیں کیا ہوتی ہیں۔ ذرا ان سے پوچھئے جن کی تار جڑ جاتی ہے۔ ان کے دل و دماغ سے غیر کا خیال بھی نکل جاتا ہے۔

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ دو سال تک ان کا خادم ان کے پاس رہا لیکن حضرت کو اس کا نام ہی یاد نہ ہوا۔ جب وہ سامنے سے گزرتا تو پوچھتے، ارے میاں! تم کون ہو؟ وہ کہتے۔ حضرت! میں آپ کا فلاں خادم ہوں۔ فرماتے اچھا اچھا۔ پھر کچھ دیر بعد سامنے سے گزرتا تو پھر پوچھتے، ارے میاں تم کون ہو؟۔ وہ کہتے حضرت میں! آپ کا فلاں خادم ہوں پھر فرماتے، اچھا اچھا۔ سبحان اللہ۔ ایک نام دل میں ایسا اتر چکا تھا کہ دو سال تک اپنے خادم کا نام پوچھتے رہے مگر اس کا نام دل میں نہ سما سکا۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم اِلاَّ حدیث یار کہ تکرار می کُنیم

بعض سلف صالحین جب اذان دینے کے لئے مینارہ پر چڑھتے، اللہ اکبر کہتے اور اللہ کی جلالت شان سے مرعوب ہو کر اسی وقت گرتے اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیتے تھے۔ آج اللہ اکبر کی آواز ہم بھی سنتے ہیں لیکن ہمارے دلوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ محبت کا وہ جذبہ بیدار نہیں ہے، وہ آگ اندر ابھی لگی نہیں ہے۔ کاش! وہ آگ لگ جائے۔

مستجاب الدعوات لوگوں کی پہچان:

اللہ کا نام دل میں کب اترتا ہے؟ جب سچ اندر اتر جائے' جب انسان کو سَچی اور سُچی زندگی نصیب ہو جائے۔

پھر زبان سے الفاظ نکلتے ہیں اور اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو جاتے ہیں۔ایک بات لوہے پر لکیر کی مانند ہے کہ جس انسان کا پیٹ حرام سے خالی ہوگا اور اسکا دل غیر سے خالی ہوگا تو اس آدمی کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو اللہ رب العزت کبھی خالی نہیں لوٹائیں گے۔یہ مستجاب الدعوات لوگوں کی پہچان ہے۔

اطاعت کا سرچشمہ:

جب محبت ہوتی ہے تو اطاعت کرنا آسان ہو جاتی ہے۔اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ محبّ جس سے محبت کرتا ہو وہ اس کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔اگر انسان اللہ رب العزت سے محبت کرے گا تو اس کیلئے تہجد کیلئے اٹھنا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔دیکھیں، چونکہ دل میں مال کی محبت ہوتی ہے اس لئے اگر تہجد کے وقت کوئی ڈاکیا آئے اور وہ یہ کہے کہ میں منی آرڈر لے کر آیا ہوں اور ابھی دینا ہے اور واپس بھی جانا ہے۔اس وقت جتنی بھی نیند آئی ہوئی ہوگی تو وہ بندہ اٹھ بیٹھے گا اور منی آرڈر وصول کر لے گا۔ اگر انسان اس مال کو حاصل کرنے کیلئے اپنی نیند قربان کر سکتا ہے تو اپنے پروردگار کو راضی کرنے کیلئے اس وقت کیوں نہیں اٹھ سکتا۔ جب محبت دل میں ہوگی تو راتوں کو اٹھنے کیلئے اسباب اختیار نہیں کرنا پڑیں گے، خود بخود آنکھ کھل جایا کرے گی، پھر اس وقت انسان دعاؤں کے قافلہ میں شرکت کیلئے تڑپا کرے گا۔پھر یہ کیفیت ہوگی کہ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (السجدۃ:16)

ان کے پہلو ان کی خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں، اور اپنے رب کو ڈر اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہم نے جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

خانقاہ فضلیہ میں عاشقوں کا مجمع:

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے۔ خانقاہ فضلیہ مسکین پور شریف میں رات کو سب سالکین ایک جگہ پر سو جایا کرتے تھے۔ جب سو جاتے اور کچھ دیر گزرتی تو ان میں سے کسی ایک پر جذب طاری ہو جاتا اور وہ اونچی آواز سے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیتا۔ اس کی آواز سن کر سب کی آنکھ کھل جاتی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی طبیعت ذرا بحال ہوتی تو سو جاتے۔ ابھی سوتے ہی تھے کہ کسی اور کو جذب ہو جاتا اور وہ اللہ اللہ کہنا شروع کر دیتا، ساری رات یونہی سوتے جاگتے گزر جاتی۔ یہ عاشقوں کا مجمع تھا۔

محبت کے غلبہ میں دو بوڑھوں کی لڑائی:

مقامات زواریہ میں ایک عجیب بات لکھی ہوئی ہے کہ ایک مرتبہ خانقاہ فضلیہ میں دو بوڑھے آدمی آپس میں الجھنا شروع ہو گئے۔ دیکھنے والے بڑے حیران ہوئے کہ یہ دونوں ظاہر میں بڑے نیک اور متقی نظر آتے ہیں، اتباع سنت بھی انکے جسم پر بالکل ظاہر ہے مگر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ایک اس کو تھپڑ لگاتا ہے اور دوسرا اس کو لگاتا ہے۔ وہ اسے کھینچتا ہے اور وہ اسے کھینچتا ہے اور کچھ باتیں بھی کر رہے ہیں۔ ایک صاحب قریب ہوئے کہ آخر بات کیا ہے۔ جب قریب ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں محبت الٰہی میں اتنا مستغرق تھے کہ آپس میں بیٹھے ہوئے ان میں سے ایک نے کہہ دیا، ''اللہ میڈا اے'' یعنی اللہ میرا ہے جب دوسرے نے سنا تو وہ الجھنے لگا کہ نہیں 'اللہ میڈا اے' وہ اسے مارتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ میڈا اے اور وہ اسے مارتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ میڈا اے۔ محبت کا کتنا غلبہ تھا کہ دونوں اس بات پر الجھ رہے تھے۔ اللہ اکبر

حضرت شبلیؒ پر محبت الٰہی کا رنگ:

حضرت شبلیؒ کے بارے میں سنا ہے کہ جب آپ کے سامنے کوئی اللہ کا نام لیتا تھا آپ اپنی جیب میں

ہاتھ ڈالتے، شیرینی نکالتے اور اس بندے کے منہ میں ڈالتے اور فرماتے کہ جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے میں اس منہ کو شیرینی سے کیوں نہ بھر دوں۔

محبوب سے ملاقات کا لطف:

محبت کا فرق بس اتنا ہی ہے کہ ایک مزدور کو لے آیئے اور اس سے کہیے کہ پتھر کو توڑو، مزدوری دیں گے۔ وہ پتھر پر ضرب تو لگائے گا مگر اس ضرب میں جذب اور کیفیات شامل نہیں ہوں گی۔ کیونکہ اس نے مزدوری لینی ہے۔ وہ ضرب تو لگا رہا ہو گا مگر بے دلی کے ساتھ بوجھ سمجھ کر۔ ایک ضرب فرہاد نے بھی لگائی تھی۔ اس کے محبوب نے کہا کہ اس میں سے دودھ کی نہر نکالئے۔ وہ بھی تیشے کی ضرب لگاتا تھا۔ کسی شاعر نے اس کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا:

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

وہ تیشے کو جو ضرب لگاتا تھا اسے ہر ضرب پر دوست کے وصل کا کیف نصیب ہوتا تھا۔ اب ہم نمازیں پڑھتے ہیں مزدور والی اور جب دل میں محبت پیدا ہو گی تو پھر فرہاد والی نمازیں پڑھیں گے۔

مجنوں کی ایک نمازی کو سرزنش:

ایک دفعہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ مجنوں لیلیٰ کی محبت میں غرق تھا۔ وہ اسی مدہوشی میں اس نمازی کے سامنے سے گزر گیا۔ اس نمازی نے نماز مکمل کرنے کے بعد مجنوں کو پکڑ لیا۔ کہنے لگا، تو نے تو میری نماز خراب کر دی کہ میرے سامنے سے گزر گیا۔ تجھے نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے کہا، خدا کے بندے! میں مخلوق کی محبت میں گرفتار ہوں مگر وہ محبت اتنی غالب آئی کہ مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ میں کس کے سامنے سے گزر رہا ہوں اور تو کیسا خالق کی محبت میں گرفتار ہے کہ نمازیں پڑھ رہا تھا اور تجھے اپنے سامنے سے جانے والوں کا پتہ چل رہا تھا۔

محبت والوں کی نمازیں:

اس کے برعکس سلف صالحین اپنی نمازوں پر محنت کرتے تھے اسی لئے جب بھی زمین پر ان کا سر پڑتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فیصلے فرما دیتے تھے۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے کہ جب اذان کہتے تھے تو پہاڑ بھی پارے کی طرح کانپتے تھے۔ شاعر نے کہا:

سنی نہ مصر و فلسطین میں اذاں میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

سبحان اللہ کتنے خلوص سے سجدے کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہے جو انسان خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحَضُوْرِ الْقَلْبِ کہ حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ شاعر نے آگے آج کے نمازیوں کی حالت بھی بیان کر دی، فرمایا:

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

محبوب سے وصل کے بہانے:

میرے دوستو! جن کے دل میں محبت الٰہی ہوتی ہے وہ محبوب سے وصل کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے پانچ نمازیں پڑھتے تو ہیں مگر سیری نہیں ہوتی، دل نہیں بھرتا، پھر جی چاہتا ہے کہ محبوب سے ہمکلامی کریں، محبوب کا دیدار کریں۔ کبھی اشراق کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی چاشت کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی اوابین کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی تہجد کے نوافل کو بہانہ بناتے ہیں، کبھی وضو کر کے فوراً دو رکعت کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت نفل کی نیت کر لیتے ہیں۔ یہ سب بہانے ہیں، حقیقت میں تو پروردگار سے ہم کلامی چاہتے ہیں۔

ہم اپنے بعض سالکین دوستوں کو دیکھتے ہیں کہ فرض اور سنت پڑھتے ہیں اور نفلوں کو نفل سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔نہیں ،میرے دوستو! اتنی بھی بڑی بات ہے کہ قیامت کے دن اگر فرضوں میں کمی ہوئی تو اسکے بدلے نوافل کو شامل کر کے قبول کر لیا جائے گا۔اور اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ معلوم نہیں کہ کس زمین پر کس وقت کے کئے ہوئے سجدے پر پروردگار کی خاص نظر ہو اور وہ سجدہ قبول کر لیا جائے۔لہذا نوافل جس وقت کے بھی شریعت کے مطابق ہوں ان کو ضرور ادا کر لیا جائے۔

مشاہدہء حق کا راز:

فرض نمازوں کا پڑھنا تو پھر اس سے بہت شان والی بات ہے۔اس کو تو اہتمام سے پڑھنا چاہیئے کیونکہ اس وقت تو محبوب کی طرف سے پیغام آتا ہے۔ حَیَّ عَلَى الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ (صحیح مسلم ج 3 ص 868) آجاؤ نماز کی طرف، آجاؤ فلاح کی طرف۔

کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے دنیا میں ڈھونڈتے پھرتے ہو، آؤ! نماز پڑھ لو تمہیں میرا مشاہدہ نصیب ہو جائے گا اور پھر اس کے صدقے تمہیں دنیا میں فلاح نصیب ہو جائے گی۔

سچے صوفی کی پہچان:

میرے دوستو! محبت الٰہی کا جذبہ جن حضرات کے دلوں میں ہوتا ہے تو پھر ان کے دل میں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے۔اللہ رب العزت کی محبت ان تمام محبتوں پر غالب ہوتی ہے اور یہی کامل مومن کی پہچان ہے۔اسی لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ

اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ
(التوبہ:24)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

یہی وجہ ہے کہ محبت کرنے والوں کو اعمال کرنے آسان ہوتے ہیں۔ وہ نمازوں کیلئے وقت سے پہلے تیار ہوتے ہیں۔ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں تو انہیں عصر کا انتظار ہوتا ہے، عصر کی نماز پڑھتے ہیں تو پھر انہیں مغرب کا انتظار ہوتا ہے اور جب رات کو سوتے ہیں تو وہ اس نیت سے سوتے ہیں کہ تہجد کیلئے اٹھیں گے۔ اسی لئے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے۔ اضطراب نہ رہا تصوف ختم ہوگیا۔ صوفی ہے ہی وہی جو اللہ کی محبت میں مضطرب رہے۔ شوق میں، اشتیاق میں، اس کی بندگی کرنے میں، اعمال کرنے میں ہر وقت بے تاب رہے۔ بلکہ ایک جگہ فرمایا کہ صوفی وہ ہے جس کی کیفیت ایسی ہو جیسی کہ قرآن مجید میں بتائی گئی۔ فرمایا، حَتّٰىٓ اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ حتی کہ زمین اپنی پوری فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ اور ان کی اپنی جانیں تنگ ہوگئیں۔ پھر فرمایا، وَظَنُّوْٓا اور ان کا یہ گمان ہوگیا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ (التوبہ:118) کہ اللہ کے سوا اب ان کا کوئی ملجا اور ماوی نہیں ہے۔ فرمایا کہ جس بندے میں یہ کیفیت موجود ہے وہ تصوف میں داخل ہے اور جس میں یہ کیفیت نہیں اسے تصوف میں ابھی داخلہ نصیب نہیں ہوا۔

محبت الٰہی میں سرمست نوجوان کے اشعار:

جن میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ رب العزت سے راز و نیاز کی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عجیب عجیب اشعار پڑھتا ہوا جا رہا تھا۔

وَاللّٰهِ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ اِلَّا وَ اَنْتَ فِیْ قَلْبِیْ وَ وَسْوَاسِیْ
وَلَا جَلَسْتُ اِلٰی قَوْمٍ اُحَدِّثُهُمْ اِلَّا وَ اَنْتَ فِیْ حَدِیْثِیْ بَیْنَ جُلَّاسِیْ
وَلَا ذَكَرْتُكَ مَحْزُوْنًا وَلَا طَرِبًا اِلَّا وَ حُبُّكَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِیْ
وَلَا هَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ اِلَّا رَاَیْتُ خَیَالًا مِّنْكَ فِی الْكَأْسِ
وَلَوْ قَدَرْتُ عَلَی الْاِتْیَانِ زُرْتُكُمْ سُحْبًا عَلَی الْوَجْهِ اَوْ مَشْیًا عَلٰی رَأْسٍ

ان کا ترجمہ یہ بنے گا کہ اللہ کی قسم! کبھی سورج طلوع نہیں ہوا اور کبھی غروب نہیں ہوا مگر یہ کہ تو میرے دل میں اور میرے خیال میں ہوتا ہے۔ اور میں کبھی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا مگر یہ کہ اس مجلس میں تیرا ہی تو ذکر ہو رہا ہوتا ہے۔ اور میں نے کبھی تیرا ذکر نہیں کیا خوشی اور غم کی حالت میں مگر یہ کہ تیری محبت میرے سانسوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اور میں نے کبھی پانی نہیں پیا مگر اس حال میں کہ پانی کے پیالے میں بھی تیرا ہی تصور کر رہا ہوتا ہوں۔ اور اے محبوب! اگر مجھے اجازت ہوتی تیری زیارت کو آؤں تو میں اپنے رخسار اور سر کے بل چلتا ہوا تیری ملاقات کو پہنچ جاتا۔

عشق الٰہی کا عجیب اظہار:

کہتے ہیں کہ مجنوں نے ہر چیز کا نام لیلیٰ رکھ دیا تھا اور زلیخا نے ہر چیز کا نام یوسف رکھ دیا تھا۔ اسی طرح جن کے دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ ہوتا وہ بھی ہر بات کے سامنے اللہ رب العزت کا نام لیتے ہیں۔

خواجہ غلام فریدؒ کے اشعار محبت:

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کوٹ مٹھن والے محبت الٰہی میں پنجابی میں کچھ اشعار کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں　میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈی روح وی توں　میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ قبلہ مسجد منبر　مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکوتاں　میڈی صوم صلوۃ اذان وی توں
میڈا زہد عبادت طاعت تقوی　علم وی توں عرفان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں　میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا　میڈا تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں　میڈا شرم وی توں میڈی شان وی توں
میڈی خوشیاں دا اسباب وی توں　میڈے سولاں دا سامان وی توں
میڈی مہندی کجل مساگ وی توں　میڈی سرخی بیڑا پان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں　میڈا بخت تے نام نشان وی توں
جے یار فرید قبول کرے　سرکار وی توں سلطان وی توں
میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں　میڈا دین وی توں ایمان وی توں

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

الف ہکو ہم بس وے میاں جی　بے تے دی میکوں لوڑ نہ کائی
الف کیتم بے وس وے میاں جی　دل وچ چاہت ہو نہ کائی

الف لیم دل کھس وے میاں جی ایں شاہت ساہت وے میاں جی
جیندیاں مردیاں یار دی رہساں وسری ہور ہوس وے میاں جی
رانجھن میڈا تے میں رنجھن دی روز ازل دی حق وے میاں جی
عشقوں مول فرید نہ پھرسوں روز نویں ہم چس وے میاں جی

سبحان اللہ! یہ بات کون کرسکتا ہے؟ جس کا دل محبت الٰہی سے بھرا ہوا ہو۔ یہ بے اختیاری کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ عقل کی باتیں نہیں بلکہ عشق کی باتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے اپنے دل کو کھول کر کاغذ پر رکھ دیا تھا۔

محبت الٰہی پر لاکھ روپے کا شعر:

حضرت مجذوبؒ حضرت اقدس تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ انہوں نے ایک شعر لکھا اور اپنے پیرو مرشد کو سنایا۔ حضرت تھانویؒ نے شعر سن کر فرمایا کہ اگر میں صاحب استطاعت ہوتا تو ایک لاکھ روپے انعام دے دیتا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب سکول جانے کیلئے ایک پیسہ بھی نہیں ملتا تھا یہ اس دور کی بات ہے جب انجینئر کی تنخواہ پندرہ روپے ہوا کرتی تھی۔ وہ شعر کیا تھا؟ بڑا مختصر، بہت سادہ، دل میں اتر جانے والا، عجیب بات کہی مگر حکایت دل بیان کردی۔ فرمایا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

حضرت چلاسیؒ کے اشعار محبت:

حضرت چلاسیؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا:

مُرا طَعنہ دِہد واعظ بَعِشقت تُو ہَم یَک بار سُوئے اُو نظر کُن
وَرا مانند مَا دیوانہ گرداں تکبر اَز دماغ اُو بَدر کُن

چلاسی خواب دَر ہجراں حرام اَست شب ہجراں بفریادے سحر کُن

کہ اے اللہ! ہم تیرے عشق کے طالب ہیں اور واعظ مجھے تیرے عشق کا طعنہ دیتا ہے۔تو ذرا اس واعظ کے دل پر بھی نظر ڈال دے۔اسے بھی میری طرح دیوانہ بنا دے اور اس کے دماغ سے تکبر کو دور کر دے۔ چلاسی! جدائی میں سو جانا حرام ہے لہٰذا جدائی کی یہ رات تو اس کی یاد میں روتے ہوئے گزار دے۔سبحان اللہ۔

عاشق کا کام:

یاد رکھیں کہ عاشق جس حال میں بھی ہو وہ محبوب کی محبت میں ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے اور روتا رہتا ہے۔کسی نے کیا ہی خوب بات کہی:

عاشق دا کم رونا دھونا، تے بن رون نہیں منظوری
دل رووے چاہے اکھیاں رووَن، تے وچ عشق دے رون ضروری
کوئی تے رووے دید دی خاطر تے کوئی روندے وچ حضوری
اعظم عشق وچ رونا پیندا بھانویں وصل ہوئے بھانویں دوری

کچھ دوست سوچتے ہونگے یہ بھی دیوانہ اور مجنون آدمی ہے کہ اللہ کی محبت اور عشق کی باتیں کر بیٹھتا ہے۔ہاں بھئی ٹھیک ہے آپ نے دنیا کی محبت دیکھی ہوگی۔کاش! اللہ رب العزت کی محبت کی شیرینی بھی چکھ لیتے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جذبۂ دانش و فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ہو اگر

آج محبت الٰہی کا جذبہ کیوں کم ہو گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کی خواہشات غالب آ چکی ہیں۔ انسان کی خواہشات یوں سمجھئے جیسے ایک بلب جل رہا ہو اور اس کے اوپر ٹوکری رکھ دیں تو کمرے میں اندھیرا ہو جائے گا۔غافل مومن کی مثال یہی ہے کہ اس کا بلب تو روشن ہے کیونکہ اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر

اس کے اوپر غفلت کی ٹوکری آ گئی ۔اسی لئے اب اس بیچارے کے دل میں اندھیرا ہے۔اگر یہ اس غفلت کی ٹوکری کو دور ہٹا دے گا تو یہ دل کا بلب اسی وقت جگمگا اٹھے گا۔

محبت الٰہی پیدا کرنے کے ذرائع:

اللہ رب العزت نے فرمایا: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ:257) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ولایت کا یہ ابتدائی درجہ ہے جو کلمہ پڑھنے والے ہر بندے کو نصیب ہوتا ہے مگر اس کو اور بڑھانے کی ضرورت ہے۔اس کو بڑھانے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ایک ذکر اللہ اور دوسری صحبت اولیاء اللہ۔

شیخ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں مَنْ لَّا وِرْدَ لَہٗ لَا وَارِدَ لَہٗ جس کے ورد و وظائف نہیں ہونگے اس کے اوپر واردات و کیفیات نہیں ہونگی۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ کوئی نقشبندی ہے، کوئی چشتی ہے، کوئی قادری ہے، کوئی سہروردی ہے، اگر دل میں ایک خدا کی یاد ہے تو تم سب کچھ ہو ورنہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔

میرے دوستو! یہ محبت الٰہی کا جذبہ درد دل کی بات ہے، یہ مشینوں کے پاس بیٹھ کر، دکانوں پر بیٹھ کر، سڑکوں اور بازاروں میں بیٹھ کر بیدار نہیں ہوگا بلکہ اس کیلئے تو اہل دل کے پاس آنا پڑتا ہے۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کیوں؟ اسلیئے کہ

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو　　ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا:

میرے دوستو! جب آدمی اولیاء اللہ کی صحبت میں آتا ہے تو پھر اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔اسی لئے کسی نے کہا:

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی　بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

شعراء میں سے استاد جگر ایک عظیم شاعر تھے۔ ان کی ابتدائی زندگی بڑی غافلانہ تھی۔ خوب پیتے تھے۔ وہ مے نوش نہ تھے بلانوش تھے۔ مشاعروں میں کہیں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے ساتھ ملنا جلنا ہوا۔ حضرت اقدس تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اس وقت حضرت مجذوبؒ محکمہ تعلیم میں Collector (کلیکٹر) کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اتنی اچھی دنیاوی تعلیم مگر چونکہ دل کی گھنڈی کھل چکی تھی لہٰذا درویشی غالب تھی۔ ایسے ایسے اشعار کہے جیسے موتیوں کو انہوں نے مالا میں پرو دیا ہو۔

استاد جگر ان کی فقیرانہ زندگی سے بڑے متاثر ہوئے۔ ایک دفعہ جگر صاحب کہنے لگے جناب! آپ سے مسٹر کی "ٹر" کیسے" مس" (Miss) ہوئی۔ انہوں نے کہا، تھانہ بھون جا کر۔ کہنے لگا، کبھی میں بھی جاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا، بہت اچھا۔ اب حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے محنت کرنا شروع کر دی۔ صادقین کی صحبت کے بارے میں تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔ ایک دفعہ انہوں نے پوچھا، سنایئے حضرت! کیا حال ہے؟ حضرت خواجہ صاحبؒ نے عجیب اشعار سنا دیئے۔ فرمایا:

پنشن ہوگئی ہے کیا بات ہے اپنی　اب دن بھی ہے اپنا اور رات بھی اپنی
اب اور ہی کچھ ہے میرے دن رات کا عالم　ہر وقت ہی رہتا ہے ملاقات کا عالم

جب انہوں نے یہ اشعار سنے تو دل میں سوچنے لگے کہ ان کے دل میں محبت الٰہی اتنی بھری ہوئی ہے تو ان کے شیخ کے دل کا کیا عالم ہوگا۔ چنانچہ کہنے لگے، تھانہ بھون تو جاؤں گا لیکن میری ایک شرط ہے۔ فرمایا، وہ کونسی؟ کہنے لگے کہ وہاں جا کر بھی پیؤں گا، یہ میری عادت ہے اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ حضرت مجذوبؒ نے فرمایا، میں حضرت سے پوچھوں گا۔ پیرومرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ حضرت! ایک بندہ بڑے کام کا ہے، آنا بھی چاہتا ہے مگر شرط لگاتا ہے کہ یہاں آ کر بھی پیؤں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھئی!

خانقاہ عوامی جگہ ہے یہاں پر تو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ شراب نوشی معصیت (گناہ) ہے۔البتہ میں اسے اپنے گھر میں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرالوں گا۔ کیونکہ مہمان کو اپنی ہر عادت پوری کرنے کی اجازت ہے، کافر کو بھی مہمان بنا سکتے ہیں۔

چنانچہ جگر صاحب تیار ہو کر وہاں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر پینا تو کیا، حضرتؒ کے چہرے کو دیکھتے ہی بات دل میں اتر گئی۔ کہنے لگے، حضرت! تین دعائیں کروانے آیا ہوں۔ حضرتؒ نے پوچھا، وہ کونسی؟ کہنے لگا، پہلی دعا یہ کیجئے کہ میں پینا چھوڑ دوں۔ حضرتؒ نے دعا فرمادی۔ دوسری دعا یہ کیجئے کہ میں داڑھی رکھ لوں۔ حضرتؒ نے یہ بھی دعا فرمادی۔اور تیسری دعا یہ کیجئے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ حضرتؒ نے یہ دعا بھی فرمادی۔ سبحان اللہ، صحبت اور شیخ کی توجہ رنگ لا رہی ہے۔ چنانچہ اسی محبت وعقیدت کے ساتھ حضرتؒ سے بیعت کا تعلق قائم کرلیا۔ جب واپس ہوئے تو زندگی بدلنا شروع ہوگئی۔

ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے کہ دل میں خیال آیا کہ نہ پیئوں گا تو کیا ہوگا؟ اگر میں اللہ کو ناراض کر بیٹھا اور نفس کو خوش کرلیا تو کیا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ایسے ہی بیٹھے بیٹھے پینے سے توبہ کرلی۔ چونکہ بہت عرصہ سے پی رہے تھے اس لئے بیمار ہوگئے۔ ہسپتال گئے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ یکدم چھوڑنا تو ٹھیک نہیں، تھوڑی سی پی لیں وگرنہ موت آجائے گی۔ پوچھنے لگے' تھوڑی سی پی لوں تو زندگی کتنی لمبی ہو جائے گی؟ انہوں نے کہا' دس پندرہ سال۔ کہنے لگے' دس پندرہ سال کے بعد بھی تو مرنا ہے۔ بہتر ہے کہ ابھی مر جاؤں تاکہ مجھے توبہ کا ثواب تو مل جائے۔ چنانچہ پینے سے انکار کر دیا۔

اسی دوران ایک مرتبہ عبدالرب نشتر سے ملنے گئے۔ ماشاء اللہ وہ اس وقت وزیر تھے۔ ان کا تو بڑا پروٹوکول تھا۔ یہ جب ان سے ملنے گئے تو جسم پر پھٹے پرانے کپڑے تھے اور بال بھی ایسے ہی' شکل و صورت بھی بالکل سادہ تھی۔ جب وہاں گئے تو چوکیدار نے سمجھا کہ کوئی مانگنے والا فریاد لے کر

آیا ہوگا۔ چنانچہ اس نے کہا' جاؤ میاں! وہ مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا' اچھا۔ اپنے پاس سے کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا اور اس پر ایک مصرعہ لکھ کر عبدالرب نشتر کو بھیجا کیونکہ وہ بھی صاحب ذوق تھے۔ عجیب مصرعہ لکھا:

نشتر کو ملنے آیا ہوں میرا جگر تو دیکھ

کنایہ دیکھئے' کیا ہی استادانہ بات کہی! جب کاغذ کا یہ پرزہ وہاں گیا تو عبدالرب نشتر اس پرزہ کو لے کر باہر نکل آئے۔ کہا' جناب! آپ تشریف لائے ہیں، اور اندر لے گئے' بٹھایا اور حال پوچھا، چنانچہ بتایا کہ زندگی کا رخ بدل لیا ہے۔

تھوڑے عرصہ بعد چہرے پر سنت سجالی۔ لوگ ان کو دیکھنے کیلئے آتے تو انہوں نے اس حالت پر بھی شعر لکھ دیا۔ اب چونکہ طبیعت سے تکلفات ختم ہو گئے تھے' سادگی تھی' اس لئے سیدھی سیدھی بات لکھ دی۔ فرمایا:

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا سنا ہے وہ کافر مسلماں ہوا

شیخ کامل کی صحبت سے جگر پر پھر ایسی واردات ہوتی تھیں کہ عارفانہ اشعار کہنا شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ اللہ رب العزت نے ان کو باطنی بصیرت عطا فرما دی۔ ایک ایسا شعر کہا جو لاکھ روپے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اس ساری تفصیل کے سنانے کا اصل مقصد بھی یہی شعر سنانا ہے جو اس عاجز کو بھی پسند ہے۔ یہ شعر یاد کرنے کے قابل ہے:

میرا کمال عشق میں اتنا ہے بس جگر وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

فنا فی اللہ کا مقام:

میرے دوستو! یہ کیفیت انسان میں اس وقت آتی ہے جب فنائے قلبی نصیب ہو جائے۔ یہ تصوف کا پہلا

قدم ہے۔ جب فنا نصیب ہو جاتی ہے تو انسان اللہ تعالی کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ کہ فانی واپس نہیں آتا۔ یعنی پھر گرتا نہیں ہے۔ اس سے پہلے پہلے گر بھی سکتا ہے۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ بعض سالکین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فانی کیوں نہیں لوٹ سکتا۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک آسان سی مثال سمجھائی۔ فرماتے ہیں کہ جیسے کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد پھر نابالغ نہیں ہو سکتا اسی طرح جس نے فنا فی اللہ کا مقام حاصل کر لیا وہ طریقت کا بالغ ہو گیا' اب اللہ تعالیٰ اسے گرنے سے محفوظ فرما لیں گے۔ تو ذکر کو ایک ایسے نقطہ تک پہنچانا ضروری ہے کہ جس پر انسان کو اللہ تعالی کی حفاظت نصیب ہو جائے۔ وگرنہ میرے دوستو! اس سے پہلے کئی لڑکھڑا جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کس وقت ہمارے ساتھ کیا معاملہ بن جائے۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے   جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

چار دن کی چاندنی:

عشق انسان کیلئے ایک طبیب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے مراد عشق الٰہی ہے' دنیا کا حسن نہیں۔ یہ تو چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ دنیا والے تو جب حسینوں کو دیکھتے ہیں تو وہ رنجھ جاتے ہیں' ان کا وضو ٹوٹ جاتا ہے' ایمان کمزور ہو جاتا ہے' متزلزل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ غازے' یہ ڈسٹمپر اللہ والوں کو پیغمبر کی راہ سے نہیں ہٹا سکتے۔

خاک ہو جائیں گے قبروں میں حسینوں کے بدن   ان کے ڈسٹمپر کی خاطر راہ پیغمبر نہ چھوڑ

اللہ کی قسم! جن کے دلوں میں اللہ کے ساتھ ایک ڈور جڑ جاتی ہے وہ دنیا کے حسینوں کی طرف دیکھنا تو کیا ان کی طرف تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کے سامنے زلف فتنہ گر، دُمِ خر (گدھے کی دم) بن جایا کرتی ہے۔

ایک آیت کی تفسیر:

یہ فنایت قلبی پیدا کرنے کے لئے دل پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ(النسآء:136) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں اٰمِنُوْا کا مطلب ہے اِتَّقُوْا کہ تم اپنے اندر تقوی پیدا کرو۔زبان سے الفاظ کے ادا کرنے والو! ان میں حقیقت بھی پیدا کرلو،زندگی اس کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لو۔میرے دوستو! بات کرنا آسان ہے مگر دل میں اس کی حقیقت کا اتارنا بہت مشکل کام ہے۔انسان کا نفس ایسا مکار ہے کہ اس کا زور جلدی نہیں ٹوٹتا۔اسی لئے علامہ اقبال نے فرمایا:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

باہر کی مسجد بنانا آسان اور اس (دل) کو مسجد بنانا مشکل کام۔

بیت اللہ" کے مفہوم میں وسعت:

یہ قلب عبداللہ (انسان کا دل) عرش اللہ ہے۔اللہ تعالی نے اس کو اپنا گھر کہا ہے اور اللہ کے گھر کو ہی تو مسجد کہتے ہیں۔بیت اللہ دنیا کی مسجدوں کی ماں ہے۔باقی سب مسجدیں گویا اس کی بیٹیاں ہیں۔کیا بیت اللہ میں معاذ اللہ اللہ تعالیٰ رہتے ہیں؟ نہیں نہیں، بلکہ وہاں اللہ تعالی کی خاص تجلیات کا ورود ہوتا ہے، وہاں تو تجلیات ذاتیہ وارد ہوتی ہیں۔جس طرح بیت اللہ پر تجلیات وارد ہوتی ہیں اسی طرح جو بندہ اپنے دل کو بنالیتا ہے اللہ تعالی کی خاص تجلیات (ذاتیہ) اس بندہ کے دل پر بھی وارد ہوتی ہیں۔اسی لئے فرمایا

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیْ مُؤمِنِ (مرقاۃ المفاتیح ص 127) (نہ میں زمینوں میں سما تا ہوں نہ آسمانوں میں سما تا ہوں بلکہ میں مومن بندہ کے دل میں سما جاتا ہوں)

میرے دوستو! ہم اپنے گھر کی صفائی تو روزانہ کروائیں تاکہ بدبو نہ آئے اور جسے اللہ تعالی اپنا گھر کہیں اس میں گناہ کبیرہ کی نجاست پھیلائیں۔ اس گھر کے اندر اگر ہم گناہوں کی نجاست پھیلائیں گے تو پھر اللہ تعالی اس گھر کی طرف نگاہ رحمت سے کیسے دیکھیں گے۔

مردہ دل کی پہچان:

ایک شخص حضرت حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا، حضرت! پتہ نہیں ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ ہمارے دل تو شاید سو گئے ہیں۔ حضرتؒ نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہا، حضرت! آپ وعظ فرماتے ہیں، قرآن وحدیث بیان کرتے ہیں مگر ہمارے دلوں پر اثر نہیں ہوتا، یوں لگتا ہے کہ ہمارے دل سو گئے۔ حضرتؒ نے فرمایا، بھئی! اگر یہ حال ہے تو پھر یہ نہ کہو کہ دل سو گئے بلکہ یوں کہو کہ دل مو گئے۔ دل مر گئے۔ اس نے کہا، حضرت دل مر کیسے گئے؟ فرمایا بھئی! جو سویا ہوا ہو اسے جھنجھوڑا جائے تو وہ جاگ اٹھتا ہے اور جو جھنجھوڑنے سے بھی نہ جاگے وہ سویا ہوا نہیں وہ تو مویا ہوا ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث جسے سنائی جائے اور وہ اگر پھر بھی نہ جاگے تو وہ سویا ہوا نہیں بلکہ مویا ہوا ہوتا ہے۔

دل کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے:

جی ہاں، انسان کا دل بسا اوقات گناہوں کی ظلمت کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ مگر اسے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ　　　کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کُہن کا چارہ

پرانے مرض کا علاج دل کو زندہ کرنا ہے۔ دل زندہ ہو گیا تو ہمارے اعمال میں جان آجائے گی۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ زندگی میں بہار آجائے گی۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار　　　دل بیاباں کیا ہوا عالَم بیاباں ہو گیا

آج ہمارے اعمال بے جان کیوں ہیں؟ اس لئے کہ قلب میں محبت الٰہی کی وہ کیفیت نہیں جو ہونی چاہیئے تھی۔ اس محبت کے ساتھ جو آدمی عمل کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو وہ اعمال پسند آجاتے ہیں۔ اگر دل پر محنت کر کے شیشے کی طرح چمکا دیا جائے تو پھر دیکھئے کہ اللہ رب العزت انسان کو کیسی کامیابیاں عطا فرماتے ہیں۔ وہ پروردگار عالم کا مقرب اور چنا ہوا بندہ بن جاتا ہے۔ اس کے قدم جدھر لگ جائیں زمین کے وہ ٹکڑے خوش ہو جاتے ہیں۔

بندہء مومن کی دعا کی شان:

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جب مومن کی دعا کے الفاظ اوپر پہنچتے ہیں تو فرشتے حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بڑی مانوس آواز ہے، یہ آواز تو وہی ہے جو ہم پہلے بھی سنا کرتے تھے، فرشتے اس دعا کے لئے دروازے کھولتے چلے جاتے ہیں۔ اس بندہ کی آواز اللہ کے حضور پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کا شرف عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

میرے دوستو! جب محبت الٰہی دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو یہ انسان کو اوج ثریا پر پہنچا دیتی ہے، جس آنکھ میں محبت سما گئی وہ نگاہ نگاہ ناز بن گئی، جس زبان میں محبت سما گئی وہ زبان شجر موسوی کا مصداق بن گئی، جس دل میں محبت الٰہی سما گئی وہ قلب عرش اللہ کا مصداق بن گیا، جس شخصیت میں محبت الٰہی سما گئی وہ شخصیت برکات الٰہی کا سرچشمہ بن گئی۔ غرض یہ محبت الٰہی انسان کو اتنا اونچا اٹھاتی ہے کہ یہ خاک کی مٹھی

فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

جب انسان حقیقی معنوں میں انسان بن جائے تو پھر اس کی ذات میں، کلام میں، نگاہ میں اور ہاتھوں میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اعمال میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ نمازیں پڑھتے ہیں تو اس کا مزہ اور ہوتا ہے، مہمان نوازی کا مزہ اور ہوتا ہے، راتوں کو اٹھنے کا مزہ اور۔ ان کی پوری زندگی راتوں کو جاگنے میں گزر جاتی ہے۔

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے خیال میں
تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

ان باتوں کی وضاحت دو مثالوں سے سمجھئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی مثال:

حضرت عیسیٰؑ کسی مردے کو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ (معجم ابن الاعرابی ص 240 ج 2232) فرماتے تو اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کیلئے اس مردے کو زندہ فرما دیتے تھے۔ آج ہم سب مل کر کسی مردے کو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کہیں تو کیا وہ کھڑا ہو جائے گا؟ نہیں کھڑا ہوگا۔ حالانکہ الفاظ وہی ہیں مگر کہنے والی زبان میں فرق ہے۔ ان کی زبان ایسی مبارک تھی کہ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کے الفاظ نکلتے تھے اور مردے کھڑے ہو جاتے تھے۔

آئی جی پولیس کی مثال:

ایک عام آدمی سڑک پر جا رہا ہو اور وہ کسی پولیس والے کو دیکھے کہ وہ ٹھیک کام نہیں کر رہا۔ اس پر وہ پولیس والے سے کہے کہ میں نے تمہیں نوکری سے معطل کر دیا ہے تو کیا وہ پولیس والا معطل ہو جائے گا؟

نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اس کی گردن ناپے گا کہ تو کون ہوتا ہے ایسی بات کرنے والا۔ اس کے بعد اگر اسی سڑک سے آئی جی پولیس گزرے اور اسی پولیس والے کو بلا کر کہے کہ تیرا بیٹی نمبر کیا ہے؟ جاؤ میں نے تمہیں معطل کر دیا۔ اب وہ معطل ہو جائے گا یا نہیں؟ ضرور معطل ہو جائے گا، حالانکہ الفاظ وہی ہیں۔ ایک عام آدمی نے کہا تو الٹا اس کی جان کا مخالف بنا اور وہی الفاظ آئی جی پولیس نے کہے تو وہ معطل ہو گیا۔ فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ آئی جی کو ایک مقام حاصل ہوتا ہے جبکہ عام آدمی کو وہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح جب انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے کردار اور گفتار میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان گُفتار میں کِردار میں اللہ کی بُرہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

ایک صحابیؓ کی گفتار میں تاثیر:

صحابہ کرامؓ نے جب فارس پر حملہ کیا تو ایک ایسے شہر کا محاصرہ کیا جس میں بادشاہ کا تخت بھی تھا۔ محاصرہ کئے ہوئے مسلمانوں کو کافی دن گزر گئے۔ بادشاہ نے اپنے ہمنواؤں سے مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے کیسے چھٹکارا حاصل کریں، یہ تو جدھر بھی قدم اٹھاتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں، اگر یہ ہم پر مسلط ہو گئے تو ہم کیا کریں گے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ بادشاہ سلامت! آپ ان کو بلا کر اپنا دبدبہ اور جاہ و جلال دکھائیں۔ یہ بھوکے ننگے لوگ ہیں، یہ ہمارے مال و دولت سے ڈر جائیں گے۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ اس نے پیغام بھجوایا کہ صلح کے لئے کوئی بندہ بھیجو جو مذاکرات کرے۔ صحابہ کرامؓ نے ایک صحابیؓ کو اس طرف روانہ کیا۔

یہ ایسے صحابیؓ تھے جن کا کرتہ پھٹا ہوا تھا اور ببول کے کانٹوں سے سلا ہوا تھا۔ ان کے بیٹھنے کے لئے

گھوڑے پر زین نہیں تھی بلکہ ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر آئے اور ہاتھ میں صرف نیزہ تھا۔ وہاں جا کر بادشاہ کے تخت پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ کو بڑا غصہ آیا کہنے لگا، تمہیں کوئی لحاظ نہیں کہ تم کس کے پاس آئے ہو، نہ کوئی آداب کا خیال، نہ طریقہ نہ سلیقہ۔ فرمایا کہ ہمارے محبوب ﷺ نے ہمیں بادشاہوں کے دربار میں اسی شان سے آنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ یہ سن کر اسے بڑا غصہ آیا۔ کہنے لگا تم کیا چاہتے ہو؟ فرمایا اَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام قبول کر لے سلامتی پا جا۔ کہنے لگا، نہیں قبول کرتا۔ فرمایا کہ اگر نہیں قبول کرتا تو پھر حکومت ہماری ہوگی اور تمہیں رہنے کی پوری آزادی ہوگی۔ اس نے کہا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی حکومت ایسے بھوکے ننگے غریب لوگوں کے حوالے کر دیں؟ صحابیؓ فرمانے لگے، اچھا یاد رکھنا کہ اگر یہ بات نہ مانی تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے، تلوار ہمارا اور تمہارا فیصلہ کرے گی اور تمہاری بیٹیاں ہمارے بستر بنایا کریں گی۔

بھرے دربار میں تلواروں کے سایہ میں بادشاہ کو اس طرح بے خوف ہو کر ایک بات کہہ دی۔ درباریوں کے سامنے یہ بات سن کر بادشاہ کا پسینہ چھوٹ گیا۔ اس کی بڑی سبکی ہوئی۔ کہنے لگا، اچھا! تمہاری تو یہ زنگ بھری تلواریں ہیں، تم ان کے ساتھ ہمارا کیا مقابلہ کرو گے؟ آپ تڑپ کر بولے اے بادشاہ! تم نے ہماری زنگ بھری تلواروں کو تو دیکھا ہے لیکن تلواروں کے پیچھے والے ہاتھوں کو نہیں دیکھا، تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کن ہاتھوں میں یہ تلواریں ہیں۔ انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اللہ رب العزت نے ان کو کامیابی سے ہمکنار فرما دیا۔ جی ہاں، جو غیر اللہ سے نہیں ڈرتے اللہ تعالی ان کی گفتار میں یوں تاثیر پیدا فرما دیتے ہیں۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا حکم دیتا تھا دریا کو تو رستہ چھوڑ دیتا تھا

مفتی الٰہی بخش نقشبندیؒ کی گفتار میں تاثیر:

کاندھلہ میں زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا تھا۔ ہندو کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے ہم یہاں مندر بنائیں گے اور مسلمان کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے ہم یہاں مسجد بنائیں گے۔ جب دونوں طرف سے اس قسم کی باتیں ہونے لگیں تو پورے شہر کے اندر آگ لگنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ انگریز حکمران تھا۔ وہ پریشان ہوا کہ اب اس بات کو کیسے سنبھالا جائے۔ مقدمہ عدالت میں پہنچ گیا۔ جج انگریز تھا۔ اس کے سامنے مسلمان بھی کھڑے تھے اور ہندو بھی۔ جج نے کہا کوئی تجویز بتادو کہ جس سے جھگڑے کے بغیر ہی کوئی فیصلہ ہو سکے۔ ہندوؤں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک تجویز ہے۔ جج نے پوچھا، وہ کونسی؟ کہنے لگے، ہم ایک مسلمان عالم کا نام بتا دیتے ہیں۔ آپ ان کو اپنے پاس بلا لیجئے، اور ان سے پوچھ لیجئے کہ یہ جگہ کس کی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہندوؤں کی ہے تو ہمارے حوالے کر دیجئے اور اگر وہ کہیں کہ مسلمانوں کی ہے تو ان کے حوالے کر دیجئے۔ مگر ہم ان کا نام صرف آپ کو تنہائی میں بتائیں گے، لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کریں گے۔ جج نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کیا آپ کو یہ منظور ہے؟ مسلمانوں نے سوچا کہ وہ مسلمان ہوگا لہذا وہ مسجد بنانے کیلئے بات کرے گا۔ چنانچہ کہنے لگے، ہاں منظور ہے۔ جج نے فیصلہ کیلئے اگلی تاریخ دے دی۔

جج نے ہندوؤں سے تنہائی میں نام پوچھا تو انہوں نے مفتی الٰہی بخش کا نام بتایا جو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ باہر نکل کر دوسرے ہندوؤں نے اپنے نمائندہ ہندوؤں کی بڑی ملامت کی کہ تم نے ایک مسلمان کا نام دے دیا ہے۔ وہ تو مسلمانوں کے حق میں گواہی دے گا، تم نے تو اپنے ہاتھوں سے خود ہی زمین دے دی۔ مگر مسلمانوں کے دل بڑے خوش تھے کہ ایک مسلمان کی گواہی لی جائے گی۔ چنانچہ وہ خوشیاں منانے لگے۔

جب اگلی تاریخ آئی تو کثیر تعداد میں لوگ عدالت میں پہنچ گئے۔ مفتی الٰہی بخشؒ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ جج نے مفتی صاحب سے کہا، جناب! آپ بتایئے کہ یہ زمین مسلمانوں کی ہے یا ہندووٴں کی؟ مسلمان خوش تھے کہ ابھی کہیں گے کہ مسلمانوں کی ہے مگر مفتی صاحب نے فرمایا، یہ زمین ہندوؤں کی ہے۔ جج نے پوچھا کیا اس زمین پر ہندو اپنا گھر بنا سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا، جب ہندوؤں کی ملکیت ہے تو مندر بنائیں یا گھر بنائیں ان کی مرضی، ان کو اختیار ہے۔ چنانچہ جج نے اسی وقت ایک تاریخی فیصلہ تاریخی الفاظ میں لکھا:

"آج کے اس مقدمے میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا"

جب جج نے یہ فیصلہ سنایا تو ہندوؤں نے کہا، جج صاحب! آپ نے فیصلہ ہمارے حق میں دے دیا ہے۔ ہم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ اب ہم اپنے ہاتھوں سے اس جگہ مسجد بنائیں گے۔ سبحان اللہ

ایک اللہ والے کی زبان سے نکلی ہوئی سچی بات کا یہ اثر ہوا کہ ہندوؤں نے اسلام بھی قبول کیا اور اپنے ہاتھوں سے مسجد بھی بنا دی۔ کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق　　یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حضرت محمد دربندیؒ کی نگاہ میں تاثیر:

میرے دوستو! جس آدمی کے دل میں محبت الٰہی رچ بس جاتی ہے پروردگار عالم اس کی برکت سے ایسے ایسے بڑے کام کروا دیتے ہیں جو بڑی بڑی قومیں مل کر نہیں کر سکتیں۔ ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں میں غفلت کی عجیب کیفیت تھی۔ تاتاری آندھی کی طرح اٹھے اور انہوں نے مسلمانوں سے تخت و تاج چھین لیا۔ بغداد میں ایک دن میں اڑھائی لاکھ مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ مسلمانوں پر ان کا اتنا رعب تھا کہ ایک مقولہ بن گیا کہ اگر تمہیں کوئی کہے کہ فلاں محاذ پر تاتاریوں نے شکست کھائی تو اسے تسلیم نہ کرنا۔

دربند ایک شہر تھا۔ تاتاریوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو وہاں کے سب مسلمان شہر سے بھاگ نکلے۔ مگر خواجہ محمد دربندیؒ اور ان کے ایک خادم خاص مسجد میں بیٹھے رہے۔ جب تاتاری شہزادہ شہر میں داخل ہوا تو مسلمانوں کے دولت اور مال سے بھرے ہوئے عالیشان گھروں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ دیکھو، دشمن اتنا ڈرپوک ہے کہ اپنی ناز ونعمتوں سے بھری جگہوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اس نے فوجیوں سے کہا کہ پورے شہر میں دیکھو کہ کوئی آدمی موجود تو نہیں۔ اس کو اطلاع ملی کہ دو بندے موجود ہیں۔ اس نے کہا کہ گرفتار کر کے پیش کرو۔ چنانچہ فوجی آئے اور انہوں نے ان دونوں کو زنجیروں سے باندھ دیا۔

وہ ان کو لے کر شہزادے کے سامنے پیش ہوئے۔ شہزادے نے دیکھ کر کہا کہ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اس شہر میں ہم داخل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں معلوم تھا۔ وہ کہنے لگا، پھر تم شہر چھوڑ کر کیوں نہیں نکلے؟ فرمایا، ہم تو اللہ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ اس نے کہا، تم کہتے ہو کہ ہم اللہ کے گھر میں بیٹھے تھے، تمہیں پتہ نہیں کہ ہمارے پاس تلواریں بھی ہیں، تمہیں پتہ نہیں کہ ہم نے تمہیں زنجیروں سے باندھا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا، یہ زنجیریں کیا ہیں؟ کہنے لگا، کیوں؟ فرمایا، یہ زنجیریں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ وہ حیران ہوا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ یہ زنجیریں کچھ نہیں کر سکتیں۔ کہنے لگا، تمہیں ان زنجیروں سے ہمارے سوا کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ فرمایا، کیا کوئی نہیں چھڑا سکتا؟ حضرت محمد دربندیؒ کو جلال آیا اور وہیں کھڑے کھڑے شہزادے کے سامنے کہا "اللہ"۔ اللہ کے لفظ سے زنجیریں ایسے ٹوٹیں جیسا کچا دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سے شہزادے کے دل پر رعب بیٹھ گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ ان کو اسی شہر میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ شہزادے کو ان سے عقیدت ہو گئی۔ لہٰذا وہ کبھی کبھی ان بزرگوں کے پاس آتا جاتا۔ حضرت دربندیؒ نے اس کے سینے پر نگاہیں گاڑ کر اس کے دل کی دنیا کو بدلا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی وجہ

سے دوسرے شہزادے بھی مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پوری سلطنت پھر مسلمانوں کے حوالے فرمادی:

ہے عَیاں یُورِش تاتار کے اَفسانے سے   پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جو کام پوری قوم نہ کرسکی اللہ کے ایک بندے نے وہ کام کر دیا:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا   یہ نِگہ کی تیر بازی وہ سِپہ کی تیر بازی

حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی گفتار میں تاثیر:

محبت الٰہی سے انسان کے کلام میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ وہی باتیں آپ عام بندے سے بھی سنیں گے مگر طبیعت پر اثر نہیں ہوگا اور اگر کسی عشق والے کامل بندے سے سنیں گے تو طبیعت پر اثر ہوگا۔ الفاظ ایک جیسے ہوں گے مگر الفاظ کہنے والی زبان میں فرق ہوگا۔ مشائخ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے بیٹے شاہ رکن الدین فارغ التحصیل ہو کر آئے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا، رکن الدین! کچھ نصیحت کرو۔ رکن الدین نے بڑا علم حاصل کیا تھا۔ لہٰذا اٹھے اور بڑی معرفت کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیں، بڑے نکات بیان کئے۔ مجمع خاموشی سے سنتا رہا مگر کسی کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب انہوں نے بیان مکمل کر لیا تو حضرتؒ فرمانے لگے کہ ہاں رکن الدین! رات ہم نے اپنے لئے دودھ رکھا تھا، بس ایک بلی آئی اور وہ دودھ پی کر چلی گئی۔ حضرتؒ کے الفاظ کہنے ہی تھے کہ مجمع لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا۔ حضرتؒ نے پوچھا 'بیٹے! آپ نے معارف بیان کئے مگر مجمع پر اثر انداز نہ ہوئے۔ میں نے تو اتنا ہی کہا کہ میں نے دودھ رکھا تھا اور بلی پی گئی۔ یہ سن کر مجمع لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا ہے، اس کی کیا وجہ؟ بیٹا سمجھ گیا۔ چنانچہ کہنے لگا، ابو! جس زبان سے یہ الفاظ نکلے اس زبان میں یہ تاثیر تھی جس نے لوگوں کے دلوں کو اس طرح پگھلا دیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی نگاہ میں تاثیر:

اللہ والوں کی نگاہ جس پر پڑ جاتی ہے اس چیز پر بھی اثر ہو جایا کرتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ایک مرتبہ مسجد فتح پور دہلی میں چالیس دن کا اعتکاف کیا۔ جب باہر دروازہ پر آئے تو ایک کتے پر نظر پڑ گئی۔ ذرا غور سے اس کو دیکھا۔ اس کتے میں ایسی جاذبیت آئی کہ دوسرے کتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے۔ وہ جہاں جا کر بیٹھتا دوسرے کتے اس کے ساتھ جا کر بیٹھتے۔ حضرت اقدس تھانویؒ نے جب یہ واقعہ سنا تو ہنس کر فرمایا کہ وہ ظالم کتا بھی کتوں کا پیر بن گیا۔ دیکھا، ایک ولی کامل کی نظر ایک جانور پر پڑی تو اس کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوگئی، اگر انسان پر نظر پڑے گی تو اس انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا کیوں نہیں ہوگی۔

مفتی لطف اللہ کے کردار میں تاثیر:

حضرت مفتی لطف اللہ سہارنپوریؒ دارالعلوم دیوبند کے ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ اپنی مستورات کو لے کر کسی شادی میں شمولیت کیلئے جانا تھا۔ ایک سواری بنالی جس کے اوپر گھر کی ساری عورتیں بیٹھ گئیں، بچے بھی بیٹھ گئے۔ مرد صرف آپ ہی ساتھ تھے۔ آپ ان کو لے کر شادی میں شریک ہونے کیلئے دوسری جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ ویرانہ آیا۔ وہاں کچھ ڈاکو چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ کوئی سواری آرہی ہے جس پر بہت ساری پردہ دار خواتین ہیں اور صرف ایک مرد ہے تو وہ باہر نکل آئے۔ سواری کو گھیر لیا۔ کہنے لگے کہ ہم مال بھی لوٹیں گے اور عزتیں بھی خراب کریں گے۔ حضرتؒ فرمانے لگے، آپ یہ سارے کا سارا مال لے جائیں مگر ان پردہ دار خواتین کے سروں سے چادریں نہ کھینچئے۔ آپ کو ان کے کانوں سے زیور کھینچنے کی ضرورت نہیں، ہم خود ہی اتار کر سارے کا سارا زیور آپ کو دے دیتے ہیں۔ ڈاکو کہنے لگے بہت اچھا۔ آپ نے گھر کی مستورات سے فرمایا کہ سب

زیورات اتار کر دے دو۔ وہ نیک عورتیں تھیں۔انہوں نے سب چوڑیاں، سب انگوٹھیاں وغیرہ اتار کر ایک رومال میں رکھ دیں۔ آپ نے اس کی گٹھڑی باندھی اور ڈاکوؤں کے سردار کے حوالے کر دی۔اور فرمایا کہ ہمارے پاس جتنا زیور تھا وہ ہم نے آپ کو دے دیا ہے۔ آپ ہماری پردہ دار خواتین کی ناموس کو دھبہ نہ لگائیں اور اب ہماری جان بخشی کر دیں۔ڈاکوؤں نے جب دیکھا کہ مال کی گٹھڑی خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے باندھ کر دے دی ہے تو کہنے لگے، بہت اچھا آپ جائیے۔

جب آپ تھوڑا سا آگے بڑھے تو گھر کی عورتوں میں سے ایک نے کہا کہ اوہو! میری ایک انگلی میں سونے کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا چھلہ (Ring) رہ گیا ہے، میرا دھیان ہی نہیں گیا، میں نے تو وہ دیا نہیں۔ آپ نے سنا تو سواری کو روک دیا اور اسے کہا کہ وہ بھی اتار کر دے دو، کیونکہ میں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں سارے زیورات دیں گے، اب یہ مناسب نہیں کہ ہم یہ چھلہ واپس لے جائیں۔ چنانچہ آپ نے وہ چھلہ لیا اور ڈاکوؤں کے پیچھے بھاگنے لگے۔ جب ڈاکوؤں نے دیکھا کہ کوئی پیچھے بھاگتا ہوا آرہا ہے تو پہلے تو وہ گھبرائے پھر انہوں نے کہا، کوئی بات نہیں، یہ تو اپنے ہاتھ سے پوری گٹھڑی باندھ کر دے چکا ہے، اب یہ ہمارا کیا کر لے گا۔ چنانچہ وہ وہیں کھڑے ہو گئے۔ جب حضرتؒ وہاں پہنچے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آپ ان کی منت کر کے فرمانے لگے کہ میں نے آپ سے تو وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے سب زیورات آپ کو دے دیں گے مگر یہ ایک چھوٹا سا چھلہ ہماری ایک بیٹی نے پہنا ہوا تھا۔اس کی طرف دھیان ہی نہ گیا، اور یہ ہمارے ساتھ جا رہا تھا، میں یہ لے کر آیا ہوں تاکہ یہ بھی آپ لوگوں کے حوالے کر دوں۔

ڈاکوؤں کے سردار نے جب یہ سنا تو اس کے جسم کے اندر ایک ایسی لہر دوڑی کہ اسے پسینہ آ گیا اور کہنے لگا، اوہو! یہ اتنا نیک اور دیانتدار بندہ ہے، یہ تو اتنی چھوٹی سی بات کا اتنا لحاظ رکھتا ہے اور میں نے بھی

اپنے پروردگار کا کلمہ پڑھا ہے مگر میں اپنے پروردگار کے کلمے کی لاج نہیں رکھتا۔ چنانچہ اسی وقت کہنے لگا، حضرت میری زندگی برائی کرنے اور لوگوں کی عزتیں لوٹنے میں گزر گئی ہے اور میں نے لوگوں کا مال بھی چھینا ہے، بہت گناہ گار ہوں۔ مجھے آپ بھی معاف کر دیں اور مجھے توبہ کا طریقہ بھی بتا دیں تا کہ میرا پروردگار بھی مجھے معاف کر دے۔

ایک عورت کی برکت سے قحط سالی ختم:

میرے دوستو! یاد رکھئے کہ جس انسان کے اندر محبت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے، اگر اس کی برکت سے دعائیں مانگی جائیں تو اللہ رب العزت ان دعاؤں کو بھی شرف قبولیت نصیب فرما دیتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں قحط پڑا۔ بارش ہونا بند ہو گئی۔ جس کی وجہ سے دریا، نہریں اور تالاب خشک ہو گئے۔ سبزیاں اور کھیتیاں خشک ہو گئیں۔ پانی اور غلے کی قلت ہو گئی۔ ہر طرف گرمی کی وجہ سے لوگ بے تاب ہو گئے، بچے رونے لگے، مائیں تڑپنے لگیں، جانور پریشان ہو گئے، چرند پرند نڈھال ہو گئے کہ قحط سالی کیسے ختم ہو۔ علمائے کرام نے فیصلہ کیا کہ سارے شہر والے مرد عورتیں بچے بوڑھے خود بھی باہر نکلیں اور اپنے جانوروں کو بھی باہر لائیں اور ایک بڑے میدان میں نماز استسقاء ادا کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں تا کہ اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش برسا دیں۔ دہلی کا شہر اس وقت چھوٹا ہوتا تھا۔ چنانچہ سب لوگ باہر نکلے۔ نماز استسقاء ادا کی اور رو رو کر دعائیں مانگنے لگے کہ اے رب کریم! اپنی رحمت سے بارش نازل فرما اور ہمیں اس مشکل سے نجات عطا فرما۔ مگر ظاہری طور پر کوئی اسباب نظر نہ آئے۔

ایک نوجوان اپنی والدہ کے ہمراہ اونٹ پر سوار قریب سے گزرا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو رک گیا۔ اپنے اونٹ کو وہیں روک کر مجمع کے پاس آیا اور پوچھا کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ قحط

سالی سے تنگ آ کر لوگ بارش کیلئے دعا مانگ رہے ہیں لیکن بارش کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ اس نے کہا، بہت اچھا، میں آپ کیلئے بارش کی دعا مانگتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی سواری کے پاس گیا۔ اس نے اپنی والدہ کی چادر کا کونہ پکڑ کر کچھ الفاظ کہے۔ اس کے الفاظ کہنے ہی تھے کہ اسی وقت آسمان پر بادل نمودار ہوئے۔ مجمع وہیں تھا، علماء ومشائخ وہیں، مرد وعورتیں وہیں کھڑی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش برسادی۔ اتنی بارش ہوئی کہ لوگ نہال ہو گئے۔

علمائے کرام بڑے حیران ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اتنے لوگوں نے دعا مانگی مگر قبول نہ ہوئی اور اس نوجوان نے دعا مانگی اور قبول ہوگئی۔ چنانچہ اس نوجوان کے پاس جا کر پوچھا کہ آپ نے کونسی دعا مانگی؟ وہ کہنے

لگا، کوئی ایسی خاص دعا تو نہیں، البتہ میں ایک نیک ماں کا بیٹا ہوں، میری ماں تقیہ نقیہ اور پاک صاف زندگی گزارنے والی ہے، کبھی کسی غیر محرم کا ہاتھ اس کے جسم کے ساتھ نہیں لگا۔ جب آپ نے کہا کہ ہم مشکل اور پریشانی میں گرفتار ہیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک ایسی ماں کا بیٹا ہوں جس نے اپنی پوری زندگی پاک دامنی میں گزار دی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی ماں کی چادر کا کونہ پکڑ کر دعا کی کہ اے اللہ! تجھے اس کی پاکدامنی کا واسطہ دیتا ہوں تو رحمت کی بارش نازل فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کو میری ماں کی نیکی اتنی پسند آئی کہ اس نے اس کے واسطے سے رحمت کی بارش برسادی۔

محبت الٰہی سے ذات میں تاثیر:

ایک بزرگ تھے۔ وہ سفر پر جا رہے تھے۔ راستہ میں انہیں ایک عیسائی ملا۔ اس نے کہا کہ مجھے بھی سفر پر جانا ہے چلیں ہم اکٹھے سفر کریں۔ چنانچہ اکٹھے سفر پر چل پڑے۔ راستہ میں ان کے پاس کھانے پینے کی جو اشیاء تھیں وہ ختم ہو گئیں۔ فاقے شروع ہو گئے۔ آگے چلے تو سوچا کہ اب کیا کریں۔ ان بزرگ

(مسلمان) نے مشورہ دیا کہ آج میں دعا مانگتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جو رزق دیں گے وہ ہم کھالیں گے اور کل آپ دعا مانگنا۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ پہلے دن مسلمان نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میں مسلمان ہوں، اپنے محبوب ﷺ کے دین کی حقانیت کو ظاہر فرما دے اور میری لاج رکھ لے۔

میری لاج رکھ لے میرے خدا یہ تیرے حبیب ﷺ کی بات ہے

ابھی دعا مانگی ہی تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی کھانے کی بھری ہوئی ایک بڑی سی طشتری لے کر آ گیا۔ مسلمان دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے میری لاج رکھ لی۔ پھر سوچنے لگے کہ آج تو اسلام کی برکت سے کھانا مل گیا ہے، اب دیکھیں گے کہ کل عیسائی کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔

کل کا دن آ گیا۔ اب عیسائی کی باری تھی۔ چنانچہ وہ بھی ایک طرف چلا گیا۔ اس نے ایک مختصر سی دعا مانگی اور واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی دو بڑی بڑی طشتریوں میں بھونا ہوا گوشت لے کر حاضر ہو گیا۔ جب مسلمان بزرگ نے دیکھا تو حیران ہوئے کہ میں نے کل اسلام کی برکت سے دعا مانگی تو ایک طشتری میں کھانا ملا اور آج اس عیسائی نے دعا مانگی تو اس کی دعا پر دو طشتریوں میں کھانا آ گیا۔ یہ کیا معاملہ ہوا؟ ادھر عیسائی بڑا خوش ہے۔ اس نے دستر خوان بچھایا اور کہنے لگا، جناب! آ کر کھانا کھا لیجئے۔ مسلمان بزرگ بجھے دل کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، کھانا زہر لگ رہا تھا۔ عیسائی نے کہا، مجھے آپ کا دل پریشان سا نظر آتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں واقعی پریشان ہوں کہ یہ کیا معاملہ ہوا۔

وہ کہنے لگا، آپ تسلی سے کھانا کھائیں، میں آپ کو دو خوشخبریاں سناؤں گا۔ وہ فرمانے لگے، نہیں، میں کھانا نہیں کھا سکتا کیونکہ میرا دل غمزدہ ہے، تم خوشخبری پہلے سناؤ تب کھانا کھاؤں گا۔ وہ عیسائی کہنے لگا، جب میں وہاں گیا تو میں نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ تیرا عزت والا مومن بندہ ہے، تو اس کی برکت

سے میرے لئے دو طشتریوں میں کھانا بھیج دے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرا واسطہ دینے پر دو طشتریوں میں کھانا بھجوا دیا۔ لہذا پہلی خوشخبری تو یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور دوسری خوشخبری یہ ہے کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔ اللہ اکبر

محبت الٰہی سے ہاتھ میں تاثیر:

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک آدمی ملا۔ پوچھا کون ہو؟ کہنے لگا، میں آتش پرست (آگ پوجنے والا) ہوں۔ دونوں نے مل کر سفر شروع کر دیا۔ راستہ میں بات چیت ہونے لگی۔ اس بزرگ نے اس کو سمجھایا کہ آپ خواہ مخواہ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ آگ تو خدا نہیں، خدا تو وہ ہے جس نے آگ کو بھی پیدا کیا ہے۔ وہ نہ مانا۔ بالآخران بزرگوں کو بھی جلال آ گیا۔ انہوں نے فرمایا، اچھا اب ایسا کرتے ہیں کہ آگ جلاتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے ہاتھ اس آگ میں ڈالتے ہیں۔ جو سچا ہوگا آگ کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا اور جو جھوٹا ہوگا آگ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ وہ بھی تیار ہو گیا۔ چنانچہ اس جنگل میں انہوں نے خوب آگ جلائی۔ آگ جلانے کے بعد مجوسی گھبرانے لگا۔ جب ان بزرگوں نے دیکھا کہ اب پیچھے ہٹ رہا ہے تو انہوں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے ہاتھ میں اسکا ہاتھ لے کر آگ میں ڈال دیا۔ ان بزرگوں کے دل میں تو پکا یقین تھا کہ میں مسلمان ہوں، اور اللہ تعالیٰ میری حقانیت کو ضرور ظاہر فرمائیں گے، دین اسلام کی شان وشوکت واضح فرمائیں گے۔ لیکن اللہ کی شان، نہ ان بزرگوں کا ہاتھ جلا اور نہ اس آتش پرست کا ہاتھ جلا۔ وہ آتش پرست بڑا خوش ہوا اور یہ بزرگ دل ہی دل میں بڑے رنجیدہ ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے کہ اے اللہ! میں سچے دین پر تھا، آپ نے مجھ پر تو رحمت فرما دی کہ میرے ہاتھ کو محفوظ فرما لیا، یہ آتش پرست تو جھوٹا تھا، آگ اس کے ہاتھ کو جلا دیتی۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات

القا فرمائی کہ میرے پیارے! ہم اس کے ہاتھ کو کیسے جلاتے جبکہ اس کے ہاتھ کو آپ نے پکڑا ہوا تھا۔ سبحان اللہ، اللہ والوں کے ہاتھوں میں ایسے برکت آ جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ هُمُ الْقَوْمُ (رِجَالٌ) لَا يَشْقٰى (سنن ترمذی ص579 ح3600) کہ وہ ایسے بندے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوا کرتا۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالیں اللہ تعالی اس کام کو آسان فرما دیتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں درختوں کی ٹہنیاں ہوں اور دشمن تلواریں لے کر آئے تو وہ ٹہنیاں بھی تلواریں بن جایا کرتی ہیں۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

سات آدمیوں کی برکت:

حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ لِلّٰہِ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ...... الخ سات بندے ایسے ہیں کہ بِهِمْ يُنْزَلُوْنَ کہ ان کی برکت سے اللہ تعالی بارش برساتے ہیں، وَبِهِمْ يُنْصَرُوْنَ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد فرماتے ہیں۔ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ اور ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو رزق دیتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے محنت کی ہوتی ہے۔ ان کے رگ و ریشہ میں اللہ رب العزت کی محبت سما چکی ہوتی ہے۔ وَبِهِمْ يُنْصَرُوْنَ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد فرماتے ہیں۔ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ اور ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو رزق دیتے ہیں۔ (عون المعبود ص ۱۵۲)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہم اس درجے کو کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ میرے دوستو! یہ درجہ اور مقام ہر انسان حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو شریعت و سنت کے مطابق ڈھال لے۔ یہ نہیں ہے کہ یہ صرف مقدر میں تھا بلکہ اللہ رب العزت نے اس (معرفت خداوندی) کو سب کے لئے آسان فرما

دیا۔ جیسے آپ میں سے کوئی آدمی چاہے کہ میں پہلوان بن جاؤں اور وہ اس کیلئے اچھی غذا کھائے، محنت کرے اور مشقت اٹھائے تو کچھ دنوں کے بعد اس کی صحت یقیناً پہلے سے بہتر ہوگی۔ یہی روحانی صحت کا حال ہے کہ اگر کوئی انسان سچی پکی توبہ کر لے اور آئندہ نیکوکاری کا ارادہ کر لے اور سنت کے مطابق زندگی کو ڈھالتا چلا جائے، تقویٰ کی زندگی کو اختیار کر لے تو پروردگار اس کی روحانی صحت میں ضرور بالضرور اضافہ فرمادیں گے اور اسے اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہو جائے گا۔ یہاں ایک اصول ذہن میں رکھئے کہ نبوت وھبی چیز ہے جو صرف انبیائے کرام علیہم السلام کو نصیب ہوتی ہے اور ولایت کسبی چیز ہے جو ہر بندہ محنت کر کے حاصل کر سکتا ہے۔

محبت الٰہی کا رنگ:

انسان کو جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس پر محبت الٰہی کا ایسا رنگ چڑھ جاتا ہے کہ اسے ہر شئے سے زیادہ اپنے پروردگار کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ اسی رنگ کے بارے میں اللہ رب العزت نے خود ارشاد فرمایا، صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ:138) اللہ کا رنگ اور اللہ سے کون بہتر ہے رنگنے میں۔ یاد رکھیں کہ ایک رنگ ہوتا ہے، ایک رنگ فروش ہوتا ہے اور ایک رنگ ریز ہوتا ہے۔ یہ کتاب وسنت رنگ ہے، علمائے کرام رنگ فروش ہیں اور اولیائے عظام رنگ ریز ہیں۔ کپڑے پر جس طرح رنگ ریز رنگ چڑھا دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ والے اللہ کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔

دو رَنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا　　سراسر مُوم ہو جا یا سَنگ ہو جا

مولانا محمد علی جوہرؒ پر محبت الٰہی کا رنگ:

مولانا محمد علی جوہرؒ قریب زمانہ میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے نقشبندی مشائخ کے زیر سایہ

تربیت پائی۔ ان مشائخ نے ان کے دل میں محبت الٰہی بھر دی تھی۔ انہوں نے دل میں عہد کر لیا کہ مسلمانوں کو جب تک آزادی نہیں ملے گی میں اس وقت تک قلم کے ذریعے جہاد کرتا رہوں گا۔ اس مقصد کیلئے آپ انگلینڈ تشریف لے گئے۔ وہاں کے اخبارات میں اپنے مضامین لکھنا شروع کر دیئے کہ انگریز کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو آزادی دے دیں۔ انہوں نے وہاں یہ نیت کی کہ جب تک مسلمانوں کو آزادی نہیں ملے گی میں واپس وطن نہیں جاؤں گا۔ اسی حال میں کئی مرتبہ ان کو تکالیف بھی آئیں اور جیل میں بھی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ انہوں نے جیل میں چند اشعار لکھے۔ فرمایا:

تم یونہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے　　پر غیب میں سامان بقا میرے لئے ہے
پیغام ملا تھا جو حسین ابن علیؓ کو　　خوش ہوں کہ وہ پیغام قضا میرے لئے ہے
یوں ابر سیہ پر تو فدا ہیں سبھی مے کش　　پر آج کی گھنگھور گھٹا میرے لئے ہے
اللہ کے رستے میں جو موت آئے مسیحا　　اکسیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے　　یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اسی قیام کے دوران آپؒ کی بیٹی بیمار ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے علاج معالجہ کرنے سے جواب دے دیا۔ ماں نے اپنی جوان عمر بیٹی سے پوچھا، بیٹی! کوئی آخری تمنا ہو تو بتا دے۔ بیٹی نے کہا، ابا جی کی زیارت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ ماں نے خط لکھوا دیا۔ قریب الموت بیٹی کا خط پردیس میں ملا کہ میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی ہوں اور دل کی آخری تمنا ہے کہ ابا حضور تشریف لائیں تو میں آپ کا دیدار کروں۔ حضرت کو جب وہ خط ملا تو دو شعر اسی خط کی پشت پر لکھ کر واپس بھیج دیا۔ فرمایا:

میں تو مجبور سہی اللہ تو مجبور نہیں　　تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
تیری صحت ہمیں منظور ہے لیکن اس کو　　نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

حضرت عثمان خیر آبادیؒ پر محبت الٰہی کا رنگ:

حضرت عثمان خیر آبادیؒ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ان کی ایک دکان تھی۔ان کی عادت تھی کہ جب کوئی گاہک آتا اور اس کے پاس کبھی کوئی کھوٹا سکہ ہوتا تو وہ پہچان تو لیتے تھے مگر پھر بھی وہ رکھ لیتے اور سودا دے دیتے۔اس دور میں چاندی کے بنے ہوئے سکے ہوتے تھے۔وہ سکے گھسنے کی وجہ سے کھوٹے کہلاتے تھے۔وہ کھوٹے سکے جمع کرتے رہتے۔ساری زندگی یہی معمول رہا۔جب موت کا وقت قریب آیا تو آخری وقت انہوں نے پہچان لیا۔اس وقت اللہ رب العزت کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! میں ساری زندگی تیرے بندوں کے کھوٹے سکے وصول کرتا رہا تو بھی میرے کھوٹے عملوں کو قبول فرمالے۔سبحان اللہ محبت الٰہی کے رنگ میں ایسے رنگے ہوئے تھے۔

عشق و محبت کی دکانیں:

حضرت مولانا محمد علی مونگیرؒ نے حضرت شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادیؒ کی صحبت میں جانا شروع کر دیا۔یہ ذرا عقلی بندے تھے۔ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑے رازدارانہ لہجہ میں پوچھا کہ محمد علی! کیا تم نے کبھی عشق کی دکان بھی دیکھی ہے؟ انہوں نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر کہنے لگے، جی حضرت! میں نے عشق کی دو دکانیں دیکھی ہیں۔ایک شاہ آفاق کی اور دوسری شاہ عبداللہ کی۔غلام علی دہلویؒ جو سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔دکانوں سے مراد خانقاہیں ہیں کیونکہ عشق الٰہی کا سودا اللہ والوں کی خانقاہوں سے ملتا ہے۔

عشق کی ایک دکان کا آنکھوں دیکھا حال:

میرے دوستو! اللہ کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں۔اس عاجز نے مجمع میں کبھی اس طرح قسمیں نہیں کھائیں۔ مگر آج میرے جی نے چاہا کہ یہ بات عرض کر دی جائے کہ اس عاجز نے بھی اپنی زندگی میں عشق کی ایک دکان دیکھی ہے۔اس کے گواہ حضرت حکیم عبداللطیف صاحب مدظلہ العالیٰ بیٹھے ہیں۔وہ عشق کی

دکان چکوال میں دیکھی تھی۔ وہاں پینے والے آتے تھے، کوئی مشرق سے آتا تھا، کوئی مغرب سے آتا تھا، کوئی پشاور سے آتا تھا، کوئی کراچی سے آتا تھا، کہیں سے منیر صاحب چلے آ رہے ہوتے تھے، کہیں سے حکیم عبداللطیف صاحب آ رہے ہوتے تھے، کہیں سے مولانا نعیم اللہ صاحب آ رہے ہوتے تھے۔ کہیں سے کوئی عشق کی پڑیا لینے آتا تھا اور کہیں سے کوئی عشق کا پیالہ پینے کیلئے آتا تھا۔ یہ عشق کے سودائی، یہ محبت الٰہی کے منگتے، یہ محبت الٰہی لینے والے فقیر بے تاب ہو کر اپنے گھروں سے کھنچے چلے آتے تھے۔

یہ وہاں جاتے تھے۔ وہاں ایک مربی، اور شیخ تھے جن کی زندگی اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق ڈھل چکی تھی، جن کا سینہ عشق الٰہی سے بھر چکا تھا۔ وہ عشق کی دوا بیچتے تھے۔ کبھی کسی کو تنہائی میں بٹھا کر دیتے، کبھی کسی سے بیان کروا کر دیتے، کبھی کسی کو سامنے بٹھا کر دیتے، کبھی کسی کو ڈانٹ پلا کر دیتے۔ جو عشق کی دوا پی لیتے تھے وہ اپنے سینوں میں عشق کی گرمی لے کر جاتے تھے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جب ان حضرات کے دلوں میں انہوں نے عشق کی ایسی گرمی بھر دی تو پتہ نہیں کہ اللہ نے ان کے اپنے دل میں عشق کی کیا حرارت رکھی ہوگی۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہوگی

اللہ رب العزت ہمیں ان جگہوں پر بار بار جانے کی اور وہاں سے عشق کی پڑیا لینے کی توفیق نصیب فرما دے۔

محبت کا سلگنا اور بھڑکنا:

میرے دوستو! ہمارے دلوں میں محبت الٰہی موجود تو ہے مگر سلگ رہی ہے۔ بھڑکنے والی چیز اور ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی کی یہ آگ بھڑک رہی ہوتی ہے۔ یہی فرق ایک عام آدمی اور ایک ولی میں ہوتا ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن　　ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

دونوں کے الفاظ و معانی ایک جیسے ہوتے ہیں، کچھ فرق نہیں ہوتا مگر مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دینا اور بات ہے اور جہاد کے موقع پر دشمن کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دینا اور بات ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ہم جیسے تو کرگس جیسی زندگی گزارتے ہیں اور اللہ والے شاہین کی سی زندگی گزارتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو بلند پرواز ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ

لمحہ فکریہ:

آج اس محفل میں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے دلوں میں کس کی محبت غالب ہے۔ مال کی، اپنے عہدے کی، مکان کی، کار کی یا کسی انسان کی۔ اگر دل کہتا ہے کہ ابھی محبت الٰہی کا جذبہ غالب نہیں تو پھر وہ وقت کب آئے گا۔ ہم اپنی زندگی کا کتنا وقت کلمہ پڑھتے گزار چکے ہیں، اگر ابھی تک یہ کیفیت حاصل نہیں ہوئی تو پھر یہ کیفیت ہمیں کب حاصل ہوگی۔

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا اللہ　　لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہیں دے گا یہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنے کا کیا اثر سامنے آئے گا۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل　　دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہندو اللہ کو رام کہتے ہیں۔ اس لئے کہنے والے نے کہا:

رام رام جپدیاں میری جبھیــــــــــــا گھس گئی　　رام نہ دل وچ وسیا ایہہ کی دھاڑ پئی

گل وچ مالا کاٹھ دی تے منکے لئے پرو　　دل وچ گھنڈی پاپ دی تے رام جپیاں کی ہو

جب دل میں پاپ (گناہ) کی گھنڈی ہوگی تو پھر رام جپنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ اس لئے میرے دوستو! دل

سے اس بات کا عہد کریں کہ، اے اللہ! آج سے تیری نافرمانی نہیں کریں گے، آج کے بعد تیرے محبوب ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جی قرآن مجید پڑھتے ہوئے احساس نہیں ہوتا، جی نماز تو پڑھتے ہیں لیکن پتہ نہیں چلتا۔ بھئی ہمیں محبت ہے ہی کہاں۔ اگر ہے بھی سہی تو بہت تھوڑی، اسے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں نفس سے محبت زیادہ ہے تبھی تو ہم تہجد میں نہیں اٹھتے۔ ہم آرام پسند ہیں۔ ہمیں مال سے محبت زیادہ ہے اسی لئے زکوۃ نہیں دیتے، مال سے محبت زیادہ ہے اسی لئے حرام، حلال کھاتے پھرتے ہیں' ہمیں طعام کی زیادہ لذت ملتی ہے اسی لئے گلی بازاروں میں جو کچھ بنا ہوا ہو کھاتے پھرتے ہیں۔ کوئی تحقیق نہیں ہوتی کہ یہ کہاں سے بنا اور کیسے بنا۔

میرے دوستو! ایک وقت تھا کہ اندر جاگتا ہوا دل ہوتا تھا' اندر کا انسان جاگتا تھا' اور آج اندر کا انسان سویا ہوا ہے۔ بلکہ سچ کہوں کہ اندر کا انسان مویا (مرا) ہوا ہے۔ ہمیں اپنی نمازوں پر محنت کرنا چاہئے کیونکہ قیامت کے دن سب سے پہلے انسان کی نمازوں کو دیکھا جائے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں اب یہ احساس بھی نہیں رہا کہ ہم جو سجدے کرتے ہیں کاش کہ وہ حضوری کے ساتھ کر لیتے۔ اس لئے دل میں جہاں اور تمنائیں ہیں ان میں سب سے بڑی تمنا یہ ہو کہ اے اللہ! میں تجھے ایسے سجدے کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس وقت سب کو بھولا ہوا ہوں۔ ہم اپنے دل میں سوچیں کہ کیا ہم چار رکعتیں ایسی پیش کر سکتے ہیں کہ جن میں تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک غیر کا خیال نہ آیا ہو۔ یقیناً ہمارے لئے اپنی زندگی میں ایسی چار رکعتیں ڈھونڈنا مشکل ہیں۔

اگر آج ہم اپنی نمازوں پر محنت کر لیں تو میرے دوستو! اسی نماز کے پڑھنے سے ہماری پریشانیوں کے حل نکل سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی نماز پر محنت نہیں کی ہوتی۔ کھڑے مسجد میں ہوتے ہیں اور دل دماغ گھر میں

پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ کئی اوٹ پٹانگ خیال جو عام وقت میں نہیں آتے عین نماز کی حالت میں آجاتے ہیں۔ میرے دوستو! یہ بے جان سجدے کب تک ہم کرتے رہیں گے۔ اللہ سے یوں مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں حضوری والی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم ایسی نماز پڑھنے والے بن جائیں جس میں کسی غیر کا خیال نہ آئے۔ کسی شاعر نے کیا ہی اچھی بات کہی:

بہ زمین چوں سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد　　کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدہ ریائی

کہ جب میں نے زمین پر سجدا کیا تو زمین سے آواز آئی کہ اے ریاء کے سجدہ کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کر ڈالا۔

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

میرے دوستو! ہمیں اللہ رب العزت کی رضا کیلئے عبادت کرنی چاہیے نیاز فتحی نے کیا خوب فرمایا ہے:

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے عشق والے حساب کیا جانیں

اللہ رب العزت ہمیں اپنی سچی پکی محبت نصیب فرمادے۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے　　جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل　　اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو　　وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ